﴿بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾ ﴿۔۔۔اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ﴾(آل عمران:74) ﴿۔۔۔عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا﴾(بنی اسرائیل:80)

ہفت روزہ

# الفضل

انٹرنیشنل

مدیر اعلیٰ: نصیر احمد قمر

جلد25 | جمعۃ المبارک 20؍جولائی 2018ء — 06ذوالقعدہ 1439 ہجری قمری ❁ 20؍وفا 1397 ہجری شمسی | شمارہ29

## اخلاق فاضلہ کے حصول کی دعا

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! تُو نے مجھے خوبصورت شکل عطا کی ہے اب میرے اخلاق بھی حسین اور دلکش بنا دے۔

(مسند احمد مسند المکثرین من الصحابہ)

## ﴿ارشادات عالیہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام﴾

تورات نے لوگوں کو انتقام کی طرف مائل کردیا۔ اس کے نزدیک ظالم کے لئے اب کوئی جائے فرار اور کوئی راہ نجات نہیں۔ اور عیسیٰؑ نے اپنی اُمّت کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ اگر ان میں سے کسی کے ایک گال پر تھپڑ مارا جائے تو وہ اپنا دوسرا گال بھی تھپڑ مارنے والے کے آگے رکھ دے اور قصاص نہ طلب کرے۔ بلاشبہ یہ دونوں گروہ فطری شریعت سے مناسبت نہیں رکھتے اور محض قانونی احکام کی پیروی کرتے ہیں۔ جب کہ محمدیؐ شخص کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ جیسے قانونی شریعت کی پیروی کرتا ہے ایسا ہی وہ فطرتی شریعت کی بھی اتباع کرے۔ کامل مسلمان وہ ہے جو دونوں شریعتوں کی اتباع کرتا ہے اور دونوں آنکھوں سے دیکھتا ہے سوا سے صحیح راستہ کی طرف ہدایت دی جاتی ہے اور دھوکہ باز اسے دھوکہ نہیں دے سکتے۔

’’پھر تعلیم قرآن کے مغز اور خدائے رحمان کی کتاب کی حقیقت کی اشاعت سے بھی جس کے لئے میں اس زمانہ میں بھیجا گیا ہوں کیونکہ یہ تعلیم موت کی طرف بلاتی ہے یعنی اس موت کی طرف جو دُوئی اور ہوا وہوس کو چھوڑنے سے نفس پر وارد ہوتی ہے اور فطرتی شریعت میں محو ہو جانے کی طرف اور اس شخص کی حالت جیسی حالت کی طرف بلاتی ہے جو مر گیا اور فنا ہو گیا ہو۔ اور خود اختیاری کی حرکات سے کلیۃً معطّل اور ان فتاویٰ سے موافقت کی طرف کھینچتی ہے جو قضا وقدر نازل کرنے والے اللہ کی طرف سے دل کو ہر آن حاصل ہوتے ہیں۔ اس حالت میں انسان فانی الذات ہو کر نفس اور جذبات کے حکم کے تابع نہیں رہتا یہاں تک کہ اس کی طرف نہ کوئی سکون منسوب ہو سکتا نہ کوئی حرکت اور نہ چھوڑنا اور نہ پکڑنا۔ اس کی شان تغیرات سے بالا ہو جاتی ہے اور اس میں اپنے قصد وارادہ کا کوئی نشان تک نہیں رہتا اور نہ کسی مدح ومذمت کی خبر ہوتی ہے اور وہ مُردوں کی طرح ہو جاتا ہے۔ پس یہ موت کی ایک قسم ہے۔ اس موت کا مقام پانے والا نہ کسی حرکت وسکون کا اختیار رکھتا ہے اور نہ کسی دکھ اور لذت کا۔ نہ کسی راحت اور تھکاوٹ کا اور نہ کسی محبت وعداوت کا۔ نہ عفو کا، نہ انتقام کا اور نہ کسی بخل کا اور نہ سخاوت کا۔ نہ کسی بزدلی اور نہ بہادری کا اور نہ غضب کا اور نہ شفقت کا۔ بلکہ وہ حیّ وقیّوم کے ہاتھ میں ایک مُردہ ہوتا ہے جس میں نہ کوئی حرکت باقی رہ گئی ہوتی ہے اور نہ کوئی خواہش اور نہ ہی ان حالتوں میں سے کوئی اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے جیسا کہ وہ مُردوں کی طرف منسوب نہیں کی جاتی۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ حالت ایک موت ہے اور یہ مراتب عبودیت کا انتہائی مقام اور نفسانی زندگی سے نکل جانا ہے اور اسی پر حضرت احدیّت کی طرف جانے والے اولیاء کا سفر اپنی انتہا کو پہنچتا ہے۔ یہی قرآن کی تعلیم ہے اور باقی ہر تعلیم رحمن خدا کی طرف جذب میں اس سے کم تر ہے۔ عقلمندوں اور غور وفکر کرنے والوں کے نزدیک سلوک اور عرفان کے مراتب میں سے اس کے بعد اور کوئی مرتبہ نہیں۔ تورات نے لوگوں کو انتقام کی طرف مائل کر دیا۔ اس کے نزدیک ظالم کے لئے اب کوئی جائے فرار اور کوئی راہ نجات نہیں اور عیسیٰؑ نے اپنی اُمّت کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ اگر ان میں سے کسی کے ایک گال پر تھپڑ مارا جائے تو وہ اپنا دوسرا گال بھی تھپڑ مارنے والے کے آگے رکھ دے اور قصاص نہ طلب کرے۔ بلاشبہ یہ دونوں گروہ فطری شریعت سے مناسبت نہیں رکھتے اور محض قانونی احکام کی پیروی کرتے ہیں۔ جب کہ محمدیؐ شخص کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ جیسے قانونی شریعت کی پیروی کرتا ہے ایسا ہی وہ فطرتی شریعت کی بھی اتباع کرے۔ اور کسی بھی معاملہ کا حتمی فیصلہ فطرتی شریعت کی گواہی کے بعد ہی کیا جائے۔ اس ملّت کی فطرت سے وابستگی کی وجہ سے اسلام کو دلہٰ فطرت کا نام دیا گیا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ خواہ فتویٰ دینے والے تجھے فتویٰ دیتے رہیں تب بھی تُو اپنے دل سے پوچھ۔ پس تو دیکھ کہ آپ ﷺ نے کس طرح فطرتی شریعت کی طرف رغبت دلائی ہے اور علماء کے اقوال پر ہی بس نہیں فرمائی۔ پس کامل مسلمان وہ ہے جو دونوں شریعتوں کی اتباع کرتا ہے اور دونوں آنکھوں سے دیکھتا ہے سوا سے صحیح راستہ کی طرف ہدایت دی جاتی ہے اور دھوکہ باز اسے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ اسی لئے اللہ نے اسلام کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے ذکر کیا کہ وہ دین فطرت ہے جیسا کہ فرمایا فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا۔ [اللہ کی فطرت کو اختیار کر (وہ فطرت) جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (الرّوم:31)] یہ امر اس ملّت کے فضائل اور اس شریعت کے اوصافِ عالیہ میں سے عظیم ترین ہے کیونکہ اس تعلیم میں ہر معاملہ کا انحصار اس فیصلہ کرنے والی قوتِ قدسیہ پر ہے جو نشأۃ انسانیہ میں ہی موجود ہے اور مراتب فنا میں کمالِ تام تک پہنچاتی ہے۔ اس کی موجودگی میں نفسانی تصرفات کی کوئی گنجائش رہ نہیں جاتی کیونکہ اس میں فطری شہادت پر عمل ہوتا ہے۔ جب کہ تورات اور انجیل انسان کو اس حد پر چھوڑ جاتی ہیں جو پاک فطری شہادت سے بہت دور ہے اور قوتِ غضبیہ کے افراط یا قوتِ واہمہ کی تفریط کے دخل کے بہت قریب ہے حتی کہ اہل عقل کے نزدیک بعض مواقع پر انتقام لینے والے کو موذی بھیڑیا کہنا بھی ممکن ہوگا یا بغیر محل کے مثلاً بیوی کی بدکاری دیکھ کر عفو اور چشم پوشی کرنے والے کو بھی غیرت مند اور باحیا شخص کے نزدیک بے غیرت اور بے حیا کہنا بجا ہوگا۔ اس لئے بعض مواقع پر تُو اس آدمی کو جسے عفو کی تعلیم بڑی پسند ہے، دیکھتا ہے کہ وہ عفو اور رحمت کی حقیقت کو ترک کر بیٹھتا ہے اور غیرتِ انسانی کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے کیونکہ اہلِ عقل کے نزدیک ہر موقع پر معاف کر دینا قابل تعریف نہیں ہے۔ اسی طرح غور وفکر کرنے والوں کے نزدیک ہر موقع پر انتقام لینا بھی مستحسن نہیں۔‘‘

(خطبہ الہامیہ مع اردو ترجمہ صفحہ 209 تا 214۔ شائع کردہ نظارت اشاعت صدر انجمن احمدیہ پاکستان۔ ربوہ)

## ”غلامِ رسول“ اور ”غلامِ مسیح“ کے مابین

# ایک کامیاب علمی دنگل

بیسویں صدی کے متحدہ ہندوستان میں جبکہ مسیحیت کے علمبرداروں کی یلغار کے سامنے مسلمان اپنے آپ کو بے دست و پا سمجھ رہے تھے۔ عروس البلاس لاہور میں ایک دلچسپ معرکہ ہوا جس میں حضرت مسیح محمدی علیہ السلام کے غلام حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ نے اسلام سے مُرتد ہونے والے ایک تیز وطرار پادری غلام مسیح کو ایسا لاجواب کیا کہ مسلمانوں کے دل باغ باغ ہوگئے۔ اس معرکہ کی روئداد حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ یوں بیان فرماتے ہیں:

1909ء میں خاکسار حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ وارضاہ کے ارشاد کے ماتحت لاہور میں مقیم تھا۔ ان دنوں لاہور میں گاہے گاہے مختلف مذاہب کی طرف سے جلسے کئے جاتے جن میں اشتہارات کے ذریعہ دیگر اہلِ مذاہب کو بلایا جاتا۔ دوسرے اسلامی فرقوں کے علماء میں سے تو بہت کم اس طرف توجہ کرتے۔ لیکن ہم احمدی جب بھی عیسائیوں یا آریوں کی طرف سے دعوت دی جاتی ان جلسوں اور مناظروں میں شمولیت اختیار کرتے۔ 1909ء میں مَیں ابھی نیا نیا لاہور پہنچا تھا کہ عیسائیوں کی طرف سے ایک بڑا پوسٹر شائع کیا گیا جس میں ایک مُرتد عیسائی غلام مسیح (اس کا پہلا نام غلام محمدؐ تھا) نے مسلمانوں کو بحث کے لئے چیلنج دیا تھا اور لکھا تھا کہ وہ قرآن کریم کے ذریعہ حضرت مسیح علیہ السلام کی فضیلت تمام انبیاء پر ثابت کرے گا۔ اور مسلمانوں کو بھی بتایا جائے گا کہ وہ غلام محمدؐ سے غلام مسیح کیسے بنا۔

اس جلسہ کا انتظام نیلا گنبد کے پاس ایک بہت بڑے ہال میں کیا گیا تھا۔ اس کی بہت بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی اور مسلمانوں کو چیلنج دیا گیا کہ اگر ان کا کوئی عالم ہمارے پادری صاحب کی تقریر کے بعد اُس کے فضیلتِ مسیح پر دیئے ہوئے دلائل کا جواب دینا چاہے تو اُسے اجازت ہوگی۔ چنانچہ اس مذہبی دنگل کو دیکھنے کے لئے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد بھی اپنے علماء کو لے کر پہنچی ہوئی تھی۔ ان علماء میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جیسے جُبّہ پوش مولویوں کے علاوہ مولوی محمد ابراہیم صاحب وکیل لاہور اور دیگر نامور علماء اہل اسلام بھی تھے۔ اس لیکچر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی صدارت لاہور کے بڑے بشپ نے کی جس کے ساتھ دیگر بہت سے انگریز پادری بھی دائیں بائیں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ گویا دجّال کا سارا لشکر اپنے زعم باطل میں اسلام پر کاری ضرب لگنے کا نظارہ دیکھنے کے لئے بنفسِ نفیس وہاں موجود تھا۔

پادری غلام مسیح نے تقریر شروع کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت کی کہ وہ فضیلتِ مسیح ازرُوئے قرآن ثابت کرے گا۔ لہٰذا جو علماء اسلام اس کے دلائل کی تردید میں کچھ کہنا چاہیں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے دلائل بھی قرآن کریم میں سے دیں۔ اس کے علاوہ ان کی کوئی دلیل قابلِ قبول نہ ہوگی۔ پادری مذکور نے فضیلتِ مسیح ازروئے قرآن کے ثبوت میں جو دلائل دیئے ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(1) مسیح کے سوا کوئی اور نبی بِن باپ پیدا نہیں ہوا۔ یہ فضیلت صرف مسیح کو حاصل ہے۔ بیشک آدم کی پیدائش بھی بِن باپ ہوئی مگر عَصیٰ آدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی کے رُو سے وہ گنہگار اور گمراہ ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا اُن کا مقابلہ معصوم مسیح سے نہیں کیا جاسکتا۔

(2) مسیح کی رُوح القدس سے تائید کی گئی جو کسی اور نبی کے متعلق ثابت نہیں۔

(3) مسیح کو قرآن میں غُلَامًا زَکِیًّا کہا گیا ہے۔ یعنی پاک اور زکی بچہ۔ یہ خصوصیت بھی کسی اَور نبی کے حق میں بیان نہیں کی گئی۔

(4) تمام انبیاء میں سے صرف مسیح کی والدہ کا نام قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اَور کسی نبی کی والدہ کا ذکر قرآن میں نہیں۔

(5) مسیح کو اللہ تعالیٰ نے خود توریت، انجیل، کتاب اور حکمت سکھائی (اس تعلق میں پادری غلام مسیح کا اشارہ سورۃ آل عمران کی آیت 49 کی طرف تھا جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَیُعَلِّمُہُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَالتَّوْرَاۃَ وَالْاِنْجِیْلَ۔)

(6) مسیح کو قرآن کریم میں کلمۃ اللہ کا خطاب دیا گیا ہے۔ یہ خطاب بھی مسیح کے سوا کسی اَور نبی کو نہیں دیا گیا۔

پادری موصوف کی اس تقریر کا جواب دینے کے لئے جو علماءِ اسلام سٹیج پر آئے انہوں نے اپنے دلائل قرآن کریم سے دینے کی بجائے توریت اور انجیل کی عبارات پڑھ پڑھ کر اپنا وقت ختم کیا۔ چنانچہ ان کی ہر تقریر کے بعد پادری غلام مسیح اُٹھ کر کہہ دیتا کہ میری مطلوبہ شرط کے مطابق جواب نہیں آیا چونکہ قرآن سے مسیح کی فضیلت سب انبیاء پر ثابت ہوتی ہے لہٰذا اس کی تردید بھی قرآن ہی سے ہونی چاہیئے۔ اِن علماء کا ایسا نہ کرسکنا بتاتا ہے کہ ان کے پاس میرے دلائل کا کوئی توڑ نہیں۔ چنانچہ اس نے بار بار اُٹھ کر علماءِ اسلام کی اِس کمزوری کو واضح کیا اور اپنے دلائل کی برتری ثابت کی جس سے اہلِ اسلام کی بہت خفّت ہوئی۔ اِدھر عیسائی تھے کہ فخر اور خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔

حضرت مولانا غلام رسول راجیکیؓ صاحب جو اس جلسہ میں بعض دیگر احمدی احباب کے ہمراہ سٹیج کے قریب ہی بیٹھے تھے (آپ کی عمر اس وقت بمشکل انتیس تیس سال کی ہوگی۔ یعنی آپ عمر کے لحاظ سے مذکورہ بالا علماء میں سب سے چھوٹے تھے۔) یہ سب کچھ سُن اور دیکھ رہے تھے کہ اچانک صاحبِ صدر نے ان کا نام پکارا۔ آپ حیران ہوئے کہ میرا نام کس نے پیش کیا ہے۔ مگر فرماتے ہیں کہ میرے مکرم دوست ملک خدا بخش صاحب (مرحوم و مغفور) نے جو قریب ہی بیٹھے تھے میرا نام خود ہی لکھ کر بھجوا دیا تھا۔ اب جونہی آپ خدا کا نام لے کر اُٹھے تو ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔ ایک تو آپ عمر کے لحاظ سے دیگر سب علماء سے چھوٹے تھے۔ دوسرے آپ نہ جُبّہ پوش تھے۔ نہ کسی اَور قسم کا فاخرہ لباس زیب تن رکھتے تھے۔ لہٰذا انہیں سٹیج کی طرف آتا دیکھ کر مسلمانوں کے اندر زبردست بے چینی پیدا ہوئی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”جونہی مَیں سٹیج کی طرف بڑھا تو بہت سے غیر احمدی علماء میرے ارد گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہوگئے اور میری وضع اور لباس کی سادگی دیکھ کر مجھے حقارت سے کہنے لگے کہ تم نے سٹیج پر جا کر کیا بولنا ہے۔ اپنا وقت ہمیں دے دو۔ مَیں نے عرض کیا کہ دوسرے علماء جو اَب تک بولتے رہے ہیں وہ آپ کے بڑے بھائی اور آپ سے بڑھ کر تھے۔ انہوں نے کیا کرلیا ہے جو آپ کرسکیں گے۔ جس وقت اِن علماء کے ساتھ میری تکرار ہورہی تھی تو صاحب صدر نے خیال کیا کہ اس شخص کا بولنا ہمارے لئے اَور بھی مفید ہوگا۔ چنانچہ اس نے اونچی آواز سے دوبارہ میرا نام پکارا۔ اور سٹیج پر بلالیا۔

مَیں جب سٹیج پر کھڑا ہوا تو میری وضع اور لباس دیکھ کر لوگوں نے مجھے جُبّہ پوش علماء کے مقابل پر بہت ہی حقیر خیال کیا اور سمجھا کہ اس آخری تقریر سے اسلام کی اور بھی رسوائی ہوگی اور بہت سے مسلمان مُرتد ہوجائیں گے۔“

مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ اس موقع پر اس کے مامور کے ایک غلام کے ذریعے اسلام کی برتری ظاہر ہو اور مسیحیت کے علمبرداروں کا منہ کالا ہو۔ چنانچہ آپ نے سٹیج پر پہنچتے ہی پہلے بلند آواز سے کلمۂ شہادت پڑھا اور پھر پادری غلام مسیح کی ایک ایک دلیل کو لے کر جواب دینے لگے۔ آپ کا جواب اتنا مدلّل، مضبوط اور دندان شکن تھا کہ جونہی آپ ایک دلیل ختم کرتے ہال جس میں اکثریت مسلمانوں کی تھی خوشی کے نعروں سے گونج اُٹھتا۔ آپ کی تقریر کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔ آپ نے فرمایا:

پہلی دلیل پادری غلام مسیح نے فضیلتِ مسیح کے سلسلہ میں یہ پیش کی ہے کہ وہ بغیر باپ پیدا ہوئے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ

اوّل: قرآن کریم نے بغیر باپ پیدائش کو کہیں بھی وجہ فضیلت قرار نہیں دیا۔ اگر ہے تو قرآن کریم سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔

دوم: جو امر باعثِ فضیلت ہوتا ہے وہ مقامِ مذمّت نہیں ہوسکتا۔ مگر قرآن کریم بتاتا ہے کہ حضرت مریم کو اس کی وجہ سے موردِ سبّ وشتم ٹھہرایا گیا جیسا کہ فرماتا ہے وَعَلٰی مَرْیَمَ بُہْتَانًا عَظِیْمًا۔ پس یہ کیا فضیلت ہوئی کہ پیدا ہوتے ہی ماں بیٹا دونوں لوگوں کے نزدیک باعث مذمّت بن گئے۔

سوم: حضرت مسیح کو بِن باپ پیدا ہونے میں حضرت آدم علیہ السلام کا مثیل قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ۔ اس مماثلت میں حضرت آدمؑ کا پلّہ بھاری نکلتا ہے کیونکہ ایک تو وہ بغیر ماں اور باپ پیدا ہوئے (یعنی خَلق کئے گئے) دوسرے ان پر اس وجہ سے کوئی الزام نہیں لگا۔

چہارم: پادری صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت آدمؑ فَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی کے رُو سے گنہگار اور گمراہ ٹھہرے، اس لئے غلط ہے کہ قرآن کریم نے ہی دوسرے مقام پر فرمایا ہے فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا یعنی حضرت آدمؑ سے بھول ہوئی۔ اس میں ان کا ارادہ شامل نہیں تھا۔ دوسرے ان کی شان یہ ہے کہ ان کے بارے میں قرآن کریم میں لکھا ہے کہ فرشتوں کو کہا گیا انہیں سجدہ کرو اور انہوں نے سجدہ کیا۔ لیکن مسیح معصوم ہو کر بھی اس علوِّ مرتبت کو نہ پہنچ سکا۔ بلکہ انجیل کی رُو سے شیطان چالیس دن تک ان کے پیچھے پڑا رہا کہ وہ اسے سجدہ کریں۔ پس پادری صاحب خود موازنہ کرلیں کہ وہ ہستی افضل ہے جسے فرشتے سجدہ کریں یا وہ جس کو شیطان کہے کہ مجھے سجدہ کر۔

دوسرے قرآن کریم کی رُو سے مسیح آدمؑ کا مثیل ہے اس لئے اگر آدم گنہگار ہے تو مسیح بھی گنہگار ہے۔

دوسری دلیل پادری صاحب نے یہ دی ہے کہ مسیح کی روح القدس سے تائید کی گئی جو کسی اور نبی کے متعلق ثابت نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ:

اوّل: حضرت مسیح کو تو روح القدس کی تائید حاصل ہوئی جو ایک فرشتہ تھا۔ مگر حضرت آدمؑ کے اندر تو خود اللہ کی رُوح پھونکی گئی۔ جیسا کہ فرمایا: فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ۔ یعنی جب مَیں اسے بنالوں اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اسے سجدہ کرتے ہوئے گرجاؤ۔ گویا ان کے اندر خدا کی رُوح پھونکے جانے کی وجہ سے فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان کو سجدہ کریں اور سجدہ کرنے کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ سارے کے سارے آپ کی تائید پر کمربستہ ہوجائیں۔ غرض حضرت مسیح کو تو صرف ایک فرشتہ کی تائید حاصل تھی مگر حضرت آدمؑ کو سب فرشتوں کی۔ اس اعتبار سے حضرت آدمؑ حضرت مسیح سے افضل ٹھہرے۔

دوم: اگر روح القدس (جو ایک فرشتہ ہے) کی تائید حاصل ہونا باعث فضیلت ہے تو پادری صاحب صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہیں گے جن کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ انہیں روح مِنَ اللہ کی تائید حاصل تھی۔ جیسا کہ آیت اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَہُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ سے ظاہر ہے۔ پھر وہ وجہ فضیلت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو حاصل ہے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحبِ فضیلت ہونا بدرجۂ اَولیٰ ثابت کرتی ہے کیونکہ تابع کو جو کمال حاصل ہوتا ہے وہ متبوع کے کمال کی بدولت ہی ہوتا ہے۔

تیسری دلیل پادری صاحب نے حضرت مسیح کی وجہ فضیلت کی یہ بیان کی ہے کہ انہیں قرآن کریم میں غُلَامًا زَکِیًّا یعنی ”پاک لڑکا“ ہونے کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس کے مقابل پر ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ”مُزَکِّیْ“ کہا گیا ہے یعنی ’پاک کرنے والا‘ جیسا کہ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آپؐ کے بارے میں یُزَکِّیْہِمْ (وہ پاک کرتا ہے) کے الفاظ آئے ہیں۔

اب پادری صاحب خود دیکھ لیں کہ وہ افضل ہوتا ہے جو خود پاک ہو یا وہ جس کی صحبت اور قوت قدسیہ سے دوسرے لوگ پاک اور مطہر بنیں۔ آگے فرمایا کہ دراصل حضرت مسیح کے بارے میں ”زکی“ کا لفظ خاص طور پر اس لئے آیا ہے کہ حضرت مریم پر حضرت مسیح کی پیدائش کے بارے میں جو الزام عائد کیا گیا تھا۔ (عَلٰی مَرْیَمَ بُہْتَانًا عَظِیْمًا) اِس الزام کی تردید ضروری تھی۔ ورنہ ہر نبی بچپن میں اور جوانی میں زکی اور پاک ہوتا ہے۔

چوتھی دلیل حضرت مسیح کی فضیلت کی پادری صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کی والدہ کا نام قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اگر پادری صاحب کے اس معیار کو تسلیم کیا جائے تو کیا وہ سارے لوگ اور دشمنانِ انبیاء جن کے نام قرآن کریم میں آتے ہیں وہ سارے کے سارے فضیلت مآب سمجھے جائیں گے۔

دوسرے قرآن کریم کا ایک مقصد اُن قصص اور واقعات کی حقیقت بیان کرنا ہے جن کے بارے میں صُحُفِ سابقہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چونکہ حضرت مریمؑ اور ابن مریمؑ کے بارے میں یہود اور نصاریٰ میں بہت اختلاف پائے جاتے ہیں اس لئے ان کا نام لے کر اصل حقیقت واضح کی گئی۔ دوسرے انبیاء کی اُمّہات کا نام لینے کی اس لئے ضرورت نہ تھی کہ ان کے بارے میں اس قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔

پانچویں دلیل مسیح کی فضیلت کے حق میں پادری صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ انہیں قرآن کریم کے رُو سے کتاب اور حکمت یعنی توریت اور انجیل سکھائی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ:

اوّل: حضرت مسیح کو جو تعلیم اور حکمت سکھائی گئی وہ مختص القوم اور مختص الزمان تھی کیونکہ قرآن کریم کے نزدیک آپ صرف بنی اسرائیل کے لئے نبی بنا کر بھیجے

باقی صفحہ نمبر4پر ملاحظہ فرمائیں

# قرآن مجید کی وحی اور
# آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات کا ایک نمونہ

(حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ)

## پانچویں اور آخری قسط

اس کے بعد معاً ایک اور عظیم الشان پیشگوئی میں خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کرنے والے لوگوں کا حلیہ اور ان کی ہلاکت کے وقت کی تعیین کرتا اور فرماتا ہے:۔

یَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ وَنَحۡشُرُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ یَوۡمَئِذٍ زُرۡقًا ﴿ۚ﴾ یَّتَخَافَتُوۡنَ بَیۡنَہُمۡ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا ﴿﴾ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ اِذۡ یَقُوۡلُ اَمۡثَلُہُمۡ طَرِیۡقَۃً اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا یَوۡمًا ﴿﴾ (طٰہٰ:103-105)
وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا ﴿﴾ (طٰہٰ:115)

”ترجمہ:۔یعنی جس دن بگل بجایا جائے گا اور ان مجرموں کو جن کی آنکھیں نیلی ہیں اس دن ہم جنگ کے لئے اکٹھا کریں گے اور وہ آپس میں دھیمی آواز سے کہیں گے تم ایک دہاکا (دس روز) رہ چکے ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں وہ بات جو کہتے ہیں۔ جب ان میں سے جو بلحاظ طریق کے افضل ہے کہے گا تم ایک دن ہی رہے ہو۔ اور وہ تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کے متعلق سو کہہ دے کہ میرا رب انہیں گرا کر پیوند خاک کر دے گا اور ان کو ایک صاف چٹیل میدان چھوڑ دے گا۔ تو ان میں نہ کوئی کجی دیکھے گا اور نہ نشیب و فراز۔ اس دن وہ پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے جس میں کوئی کجی نہیں اور تمام آوازیں رحمٰن کے لئے نیچی ہو جائیں گی اور تُو اس دن سوائے آہستہ آواز کے نہ سنے گا۔ اس دن شفاعت نفع نہ دے گی۔ بجز اس کے کہ جسے رحمٰن نے اجازت دی۔ اور اس کے لئے پسند کیا کہ وہ کہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے۔ اور وہ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اور اس دن تمام منہ حیّ وقیّوم کے لئے جھک جائیں گے۔ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے ظلم اٹھایا۔ اور جو اعمال صالحہ بجا لائے گا درآنحالیکہ وہ مومن ہے تو اسے نہ ظلم کا کھٹکا رہے گا اور نہ حق تلفی کا ڈر۔ اور اس طرح ہم نے اس وعیدی (یعنی انذاری) پیشگوئی کو مختلف پیرایوں میں بیان کر دیا ہے۔ تاکہ وہ بدانجام سے بچیں ورنہ نئے پیرایہ میں یاددہانی کو تازہ کر دے گا۔ پس بہت ہی بلند مرتبہ وہ بادشاہ برحق ہے۔ اور تو قرآن کے متعلق جلدی نہ کر پیشتر اس کے کہ تیری طرف اس کی وحی پوری کی جائے۔ اور کہہ اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے“۔

ان آیات میں مندرجہ ذیل باتیں جو از قبیل اخبار غیبیہ میں بیان کی گئی ہیں:۔

**اوّل:** بدوں کا نہایت ہی برا بدلہ ہے جو قیامت کے دن ظاہر ہوگا خواہ قیامت صغریٰ، قیامت کبریٰ۔ علماء اسلام تسلیم کرتے ہیں کہ قیامت دو ہیں۔ ایک چھوٹی قیامت جو دنیا میں اسی زمین پر قائم ہوگی اور دوسری بڑی قیامت جو آخرت میں جزا سزا کے دن قائم ہوگی۔

**دوم:** نیلی آنکھوں والوں سے مراد عربوں کے نزدیک رومی وغیرہ اقوام ہیں جو یورپ کے شمال میں آباد ہیں۔ یہ نام انہیں ان کی نیلگوں آنکھوں کی وجہ سے دیا گیا ہے۔

**سوم:** اس دن بگل بجایا جائے گا اور مجرموں یعنی خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کرنے والوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔

نفخ صُور، حشر اور ساری زمین کو میدان کارزار بنائے جانے کا ذکر سورہ کہف میں بھی بایں الفاظ وارد ہوا ہے۔

وَیَوۡمَ نُسَیِّرُ الۡجِبَالَ وَتَرَی الۡاَرۡضَ بَارِزَۃً ۙ وَّحَشَرۡنٰہُمۡ فَلَمۡ نُغَادِرۡ مِنۡہُمۡ اَحَدًا ﴿ۚ﴾ (الکہف:48)

مفسرین کے نزدیک لفظ اَلۡجِبَال (پہاڑوں) سے مراد بڑی بڑی جابر قومیں ہیں جنہیں جنگ کے لئے ہانکا جائے گا۔ انہی معنوں میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں میں پہاڑوں کے ہٹائے جانے کا محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ لفظ حشر کے معنی جنگ کے لئے اکٹھا کرنے کے ہیں جیسا کہ سورہ حشر میں بھی یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِہِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ (الحشر:3) ”یعنی وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کفار کو اپنے گھروں سے پہلی جنگ کے لئے نکالا۔“

غرض سورہ طٰہٰ کی مذکورہ بالا آیت لفظاً و معناً سورہ کہف کی مذکورہ بالا آیت کا مثنّٰی ہے اور دونوں ہی تثلیث پرست اقوام کے انجام سے تعلق رکھتی ہیں۔ سورہ کہف میں وقت کی تعیین نہیں مگر سورہ طٰہٰ میں پیشگوئی کا وقت معین کیا گیا ہے۔

**چہارم:** یہ نیلی آنکھوں والے آپس میں چپکے چپکے باتیں کریں گے کہ تم ایک دہاکا یعنی ہزار سال گزار چکے ہو۔ چونکہ عہد قدیم کی پیشگوئیوں میں ایک دن سو سال کے برابر لیا جاتا ہے اس لئے آیت اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا سے پایا جاتا ہے کہ دہاکا کا اندازہ کرنے والی قوم نیلگوں چشم ہے جو عیسائی ہے۔

**پنجم:** قرآن مجید میں ایک دن اس پیشگوئی کا جس میں اسلام کا دنیا سے اٹھایا جانا مقدر ہے ایک ہزار سال کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ سجدہ میں بھی فرمایا ہے

یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿﴾ (السجدۃ:6)

”یعنی وہ آسمان سے تدبیر کر کے شریعت کو نازل کرتا ہے۔ پھر یہ اس کی طرف ایک دن میں اٹھ جائے گی۔ جس کی مقدار تمہاری گنتی کے لحاظ سے ایک ہزار سال ہے“۔

مفسرین نے اس سے یہی مراد لیا ہے کہ تین صدیوں کے بعد جو کہ اچھی صدیاں ہیں ایک ہزار سال فیج اعوج کا ٹیڑھا زمانہ شروع ہوگا اور اس عرصہ میں قرآن اٹھ جائے گا۔ جبکہ اس عرصہ میں دجال کا خروج اور ابن مریم کا نزول اور مہدی اور قیامت کی دیگر علاماتِ صغریٰ کا ظہور ہوگا۔

مذکورہ بالا پانچ باتیں اس سورۂ کہف والی عظیم الشان پیشگوئی سے تعلق رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں سورہ طٰہٰ میں نہ صرف سورہ کہف والی پیشگوئی ہی کا لفظاً و معناً اعادہ کیا گیا ہے۔ بلکہ صحف سابقہ کی دجال کے متعلق پیشگوئی کے الفاظ کا بھی لفظاً و معناً اعادہ کر کے دونوں پیشگوئیوں کو ایک قرار دیا ہے اور اسی لئے ان کی میعاد کو بھی اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا اور اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا یَوۡمًا میں لفظ عشر اور یوم سے ایک ہی قرار دیا اور بتلایا گیا ہے کہ ان عیسائی اقوام کے محاسبہ کی میعاد جو اس دنیا میں قائم ہوگی ایک ہزار سال کے خاتمہ پر ہے۔ مگر یہ سوال کہ ایک ہزار سال کونسا مراد ہے۔ دوسری آیت میں اَمۡثَلُہُمۡ طَرِیۡقَۃً کے الفاظ سے اس کی تعیین کر دی کہ یہ میعاد وہی فیج اعوج والی ہے جس میں شریعت اسلامیہ کا زمین سے اٹھ جانا مقدر ہے۔ اور وہ چوتھی صدی ہجری میں شروع ہو کر تیرھویں صدی کے آخر تک ختم ہوتی ہے۔ دانیال علیہ السلام کی پیشگوئی میں جو دجال کے عروج و زوال کا عرصہ مقرر کیا گیا ہے وہ 1260 سال کا ہے جو اس وقت سے شروع ہونے والا تھا جب سوختنی قربانی بیت المقدس میں موقوف ہوئی اور جیسا کہ پہلے قدرے تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ مشہور ہیئت دان علامہ ڈمبل بی کے حساب کی رُو سے یہ عرصہ اٹھارھویں صدی کا آخر ہے لیکن یہاں دانیال نبی والی پیشگوئی کا ذکر نہیں بلکہ ایک ہزار سال کی وہ میعاد مراد ہے جس کا ذکر یوحنا عارف کے مکاشفات باب 20 میں مذکور ہے جو یہ ہے۔

### موعودہ انذار کی میعاد

”پھر میں نے ایک فرشتے کو آسمان سے اُترتے دیکھا جس کے ہاتھ میں اَتھاہ گڑھے کی کنجی اور ایک بڑی زنجیر تھی۔ اُس نے اُس اژدھے یعنی پُرانے سانپ کو جو ابلیس اور شیطان ہے پکڑ کر ہزار برس کے لئے باندھا۔ اور اُسے اَتھاہ گڑھے میں ڈال کر بند کر دیا اور اُس پر مہر کر دی۔ تاکہ وہ ہزار برس کے پورے ہونے تک قوموں کو پھر گمراہ نہ کرے۔ اس کے بعد ضرور ہے کہ تھوڑے عرصے کے لئے کھولا جائے --- اور جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اُن قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی۔ یعنی یاجوج اور ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لئے جمع کرنے کو نکلے گا۔ اُن کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا۔ اور وہ تمام زمین پر پھیل جائیں گے۔ اور مقدّسوں کی لشکرگاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گے۔ اور آسمان پر سے آگ نازل ہو کر اُنہیں کھا جائے گی۔“ (مکاشفہ یوحنا باب 20 آیت 1 تا 9)

[البیت الحرام کے معنی بھی عزیز یعنی عزت والا گھر ہیں۔]

یہ دونوں میعادیں تیرھویں صدی ہجری یا اٹھارھویں صدی عیسوی تک پوری ہوتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ شیطان ایک ہزار سال کے لئے باندھا گیا اور یہ قومیں ترقی کرنے سے روک دی گئیں۔ ایک ہزار سال ہجری کے بعد یعنی سترھویں صدی عیسوی میں یہ یورپ کی نیلگوں آنکھوں والی شمالی اقوام نے باہر نکلنا شروع کیا اور دو سو سال میں انہوں نے عروج کیا اور تمام زمین پر چھا گئیں۔

یہ امر کہ ان شمالی اقوام میں اپنی مذہبی کتابوں کی بیان کردہ پیشگوئیوں کی میعاد کے بارے میں اندازہ کرنے کا سوال پیدا ہوا یا نہیں اس کا مختصر اندازہ مندرجہ ذیل بعض کتابوں کے ناموں سے ظاہر ہے جو اٹھارھویں صدی میں شائع ہوئیں۔

[1. The New Era at Hand.
............ (عصر جدید قریب ہے)
2. The Morning Star.
............ (ستارۂ صبح)
3. Things to Come.
(وہ باتیں جو ہونی ہیں)
4. Advent of the Christ.......
(مسیح کی آمد)
5. Future Events.
(واقعاتِ آئندہ)
6. The Easter Questions.
(ایسٹر کے متعلق مسائل)
7. Downfall of Turkish Empires.
(سلطنت ترکیہ کا زوال)
8. The Appointment Time.
(ساعتِ موعودہ)
9. Islam to Christianity.
(اسلام بمقابلہ عیسائیت)]

عجیب بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی اس صدی میں اپنا اندازہ پیش کیا۔ **(حجج الکرامه)** اور دونوں اندازے ایک ہزار سال کے بارہ میں متفق ہیں۔ اور یہ امر کہ آیا فی الواقع سورہ طٰہٰ کی مذکورہ بالا آیات میں سابقہ انبیاء کی پیشگوئی کا ہی حوالہ دیا گیا ہے۔ یسعیاہ نبی کی پیشگوئی کے ان الفاظ سے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے:۔

”ہر ایک نشیب اونچا کیا جائے۔ ہر ایک کوہ اور ٹیلہ پست کیا جائے۔ ہر ایک ٹیڑھی چیز سیدھی اور ناہموار جگہیں ہموار کی جائیں۔ اور خداوند کا جلال آشکار ہوگا۔ اور سب بشر ایک ساتھ دیکھیں گے کہ خداوند کے منہ نے یہ فرمایا ہے اور ہر بشر خدا کی نجات دیکھے گا ... پر ایک دن ہے جو خداوند کو معلوم ہے ... خداوند ساری دنیا کا بادشاہ ہوگا اور اس کا نام واحد ہوگا اور ساری زمین تبدیل ہو کر عرابہ کے میدان کی مانند ہوگی“۔ (زکریا 11/7)

یہ الفاظ فَیَذَرُہَا قَاعًا صَفۡصَفًا ﴿ۙ﴾ لَّا تَرٰی فِیۡہَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمۡتًا ﴿ؕ﴾ (طٰہٰ:107، 108) کے لفظاً و معناً مترادف ہیں۔ اس مماثلت سے بھی ظاہر ہے کہ سورہ طٰہٰ کی محولہ بالا آیات میں نہ صرف سورہ کہف کی پیشگوئی کو ہی بلکہ سابقہ صحف کی پیشگوئی جو دجال کے متعلق ہے اسے بھی دہرایا گیا ہے اور اس میں اس کے ظہور کی میعاد اور اس کا آخری نتیجہ واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

غرض یہ تیسری مثال ہے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ سورہ طٰہٰ میں بھی قیامت اور مجازات کے ذکر کے ساتھ ایک عظیم الشان پیشگوئی کا ذکر بھی پایا جاتا ہے جس کا تعلق یاجوج و ماجوج کی نیلگوں آنکھوں والی اقوام کے ساتھ ہے اور اس پیشگوئی میں ایک ایسی مدت کا تعیّن ہے جو دو قوموں کے درمیان متفق علیہ ہے اور اس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ جس وقت ان پیشگوئیوں کے متعلق اندازہ کر کے اس میعاد کے متعلق فیصلہ کریں گے وہی وقت خدائے وحدہٗ لاشریک کے جلال کا دین اور بنی نوع انسان کی خجالت کا دن ہوگا۔ خدائے وحدہٗ لاشریک ان کی کھڑی کی ہوئی پہاڑوں جیسی روکوں کو اڑا دے گا اور ساری دنیا کے نشیب و فراز دور ہو کر مساوات قائم ہوگی۔ سورہ طٰہٰ کی مذکورہ بالا آیتوں میں اس بات کی بھی تصریح کی گئی ہے کہ قرآن کے متعلق جلدی نہ کی جائے بلکہ اس دن کا انتظار کیا جائے جب واقعات اس کی خود تشریح کریں گے۔

### سورۃ انبیاء کا موضوع

سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِیۡدُہٗ ؕ وَعۡدًا عَلَیۡنَا ؕ اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیۡنَ ﴿﴾ (الاَنبیاء:105) یعنی جس طرح ہم نے پہلی پیدائش سے شروع کیا اس طرح ہم اسے دہرائیں گے۔ یہ ہم پر وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور پورا کرنے والے ہیں۔ اس آیت کا تعلق حیات آخرت سے بھی ہے اور اسی سے چند آیات قبل یاجوج اور ماجوج کی اقوام کے متعلق اسی پیشگوئی کا اعادہ

ہے جس کا ذکر سورہ کہف میں بایں الفاظ کیا گیا ہے۔ اِنَّ یَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ (الکھف:95) یعنی یاجوج وماجوج دنیا میں فساد کرنے والے ہیں۔

سورہ انبیاء میں اس فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل باتیں بیان کی گئی ہیں۔

**اوّل:** یہ کہ تمام قوموں کے محاسبہ کا وقت قریب آ گیا ہے اور یہ کہ (ذکر محدث) یعنی ایک نئی یاددہانی کی جائے گی۔

**دوم:** یہ کہ زمین و آسمان کا پیوند اس وقت ٹوٹ جائے گا اور لوگ روحانی زندگی کے لئے آسمانی وحی کے محتاج ہوں گے۔

**سوم:** یہ کہ جس طرح مادی عالم میں انسان کی جسمانی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے پہاڑوں اور آسمان کو بطور مخزن بنایا گیا ہے اور تاریکیوں کو دور کرنے کے لئے سورج اور چاند ہیں اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے راستے بنائے گئے ہیں۔ اسی طرح آئندہ روحانی انتظام کے لئے سورج اور قمر کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہ سورج آنحضرت ﷺ کی ذات ہے اور قمر آپ کے مظہروں کا وجود ہے۔ یہ سلسلہ انتظام اب دنیا میں ہمیشہ قائم رہے گا۔ آیت وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ [ا] (الأنبیاء:35) کے معنی سیاق کلام کے لحاظ سے بھی ہیں روحانی فیض رسانی میں یہ خلد دوام کسی کو نہیں دیا گیا اور یہ کہ اب آئندہ دنیا کی روحانی زندگی کا قیام آنحضرت ﷺ کی زندگی کے ساتھ ہے آپ کی موت کے ساتھ دنیا کی موت ہے۔

[اے: قرآن مجید کی بعض آیات سیاقِ کلام سے اگر الگ کی جائیں تو وہ پُرحکمت کلام ہونے کی وجہ سے ایک الگ مفہوم دیتی ہیں۔ اس قسم کی آیتوں میں سے مذکورہ بالا آیت بھی ہے۔ اس آیت سے بطور قاعدہ کلّیہ یہ استدلال بھی کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے تمام انبیاء جسمانی طور پر فوت ہو گئے۔ لیکن سیاقِ کلام میں مذکورہ بالا آیت کا وہی مفہوم ہے جو اُوپر بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے یہ آیت ہے: خَلَقَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ○ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (الأنبیاء:34،35) رات اور دن کو پیدا کیا اور سورج اور چاند میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرہ کے اندر چکّر لگا رہا ہے۔ رات سے مراد جہالت اور گمراہی کی رات ہے۔ ان آیات کا اسلوبِ بیان وضاحت سے مذکورہ بالا مفہوم کی تعیین کرتا ہے۔ مذکورہ بالا قسم کی آیات میں سے ایک آیت یہ بھی ہے: لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ (البقرة:196) یعنی ''اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں ہلاکت میں مت ڈالو''۔ اِس آیت کو سیاقِ کلام سے الگ کیا جائے تو یہ ایک پُرحکمت قاعدۂ کلّیہ کے طور پر مفہوم دے گی۔ یعنی جان بوجھ کر تہوّر سے کام نہ لو اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ لیکن سیاقِ کلام میں اِس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم خدا تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہیں کرو گے تو اپنے تئیں ہلاک کر دو گے۔]

**چہارم:** یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی اصل غرض جو توحید باری تعالیٰ اور روحانی مملکت کا قیام ہے آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے دنیا میں پوری کی جائے گی خواہ اس کے راستہ میں کتنی ہی روکیں کیوں نہ کھڑی کر دی جائیں۔

**پنجم:** یہ کہ یاجوج وماجوج کو کھولا جائے گا یعنی ان کو آزادی دی جائے گی اور وہ سمندروں کی لہروں پر سے تمام دنیا میں بڑی تیزی سے پھیل جائیں گے۔

**ششم:** اس زمانہ میں برباد شدہ بستیاں دوبارہ آباد کی جائیں گی۔

**ہفتم:** یہ کہ یاجوج وماجوج کی تباہی کا وعدہ جب آئے گا تو ان کو اپنے بچانے کے لئے کوئی مہلت نہ دی جائے گی اور حیرت سے ان کی ٹکٹکی بندھ جائے گی۔ یعنی ایک حیرت انگیز انقلاب دنیا میں پیدا ہوگا۔

**ہشتم:** یہ کہ دنیا میں اَلْفَزَعُ الْاَكْبَرُ یعنی بہت بڑی گھبراہٹ قائم ہوگی جس سے مومنوں کو قائم رکھا جائے گا۔

**نہم:** یہ کہ معبودانِ باطلہ کا اس دن خاتمہ ہوگا۔

**دہم:** نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک تمام دنیا کا معبود ہوگا اور آنحضرت ﷺ کا وجود تمام دنیا کے لئے باعث رحمت ٹھہرے گا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ○ (الأنبیاء:108)

یہ عالم غیب سے تعلق رکھنے والی دس باتیں ہیں جو سورہ انبیاء کا مضمون ہیں۔ یاجوج وماجوج کے فتنۂ عظیم کے پیش نظر مذکورہ بالا پیشگوئیاں جو بہت ہی عظیم الشان ہیں ان کلمات ربی کی ہی تفسیر ہیں جن کا ذکر سورۃ انبیاء کی آیت سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْن (الأنبیاء:38) یعنی مَیں عنقریب تمہیں اپنے نشانات دکھاؤں گا ان کے متعلق تم جلدی نہ کرو۔

اور آخری آیات اِنْ اَدْرِیْ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ○ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ○ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ○ (الأنبیاء:110 تا 112) یعنی میں نہیں جانتا آیا نزدیک ہے یا دور وہ بات جس کا تم کو وعدہ دیا جا رہا ہے۔ وہی جانتا ہے بات کا ظاہر کرنا اور جانتا ہے وہ جو تم چھپاتے ہو اور میں نہیں جانتا کہ شاید وہ تمہارے لئے فتنہ ہی ہو اور ایک وقت تک فائدہ کا سامان صاف طور پر پتہ دے رہی ہیں کہ ان کا تعلق آئندہ زمانہ سے ہے، قریب زمانہ سے بھی اور دور زمانہ سے بھی۔

[مذکورہ بالا اسلوبِ بیان عربی کا مفہوم یہی ہے کہ یہ سب باتیں ہوں گی۔ الفاظ اِنْ اَدْرِیْ اور اَمْ اور لَعَلَّهٗ احتمال اور شک وشبہ کے مفہوم میں قطعاً استعمال نہیں ہوتے۔]

اِذَا فُتِحَتْ یَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ۔ (الأنبیاء:97) جب یاجوج وماجوج کو کھولا جائے گا اور وہ سمندروں کی لہروں پر سے تمام اکناف عالم میں پھیل جائیں گے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد قریب ہی وقت میں عیسائی اقوام کا مسلمانوں کے ساتھ ٹکراؤ ہوا اور وہ شکست کھا کر کچھ عرصہ کے لئے خاموش ہو گئیں۔ لیکن اب جب انہیں مکمل آزادی حاصل ہوئی ہے اور تمام روکیں ان کے راستہ سے ہٹا دی گئی ہیں۔ ان کا حملہ اسلام اور مسلمانوں پر نہایت ہی خطرناک ہے۔

سورۂ انبیاء میں جو پیشگوئی کی گئی ہے اس کا تعلق دونوں زمانوں کے ساتھ ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ ان آیات میں یاجوج وماجوج کی ترقی کو ایک لحاظ سے فتنہ قرار دیا ہے اور ایک لحاظ سے متاع یعنی عارضی فائدہ کا ذریعہ۔ یہ بظاہر متضاد المعنی پیشگوئی بھی علم غیب کے عجائبات میں سے ہے۔ جس طور پر یہ پوری ہو رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

## سورۂ حج کا موضوع

اسی طرح سورۂ حج میں بھی ایک زلزلہ عظیمہ کے برپا ہونے کا ذکر کیا اور بتایا گیا ہے اور اس کا تعلق بھی اسی ہزار سالہ یوم موعود سے ہی ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ حج کا چھٹا رکوع آیت وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ○ (الحج:48) یعنی تجھ سے اس عذاب کے متعلق جلدی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ یقیناً تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

اس آیت میں اسی ایک ہزار سال کی میعاد کا حوالہ ہے جس کا ذکر سورہ طٰہٰ میں ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں سورہ حج میں بیت اللہ کے ہمیشہ محفوظ رکھے جانے کی پیشگوئی بھی ہے۔ فرماتا ہے وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ (الحج:26) یعنی جس نے بھی اس میں ظلم سے الحاد کا ارادہ کیا ہم اسے دردناک سزا دیں گے اور آخری رکوع میں فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ○ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ○ (الحج:76،77) یعنی اللہ تعالیٰ ملائکہ سے بھی اور لوگوں سے بھی رسول چنتا ہے اور چنتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ بہت ہی سننے والا بہت ہی بینا ہے۔ جانتا ہے جو ان کے سامنے اب ہو رہا ہے اور جو ان کے پیچھے ہوگا اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

اس آیت میں ملائکۃ اللہ اور رسولوں کے ذریعہ سے اس غرض و غایت کی حفاظت کا وعدہ ہے جس کے لئے بیت اللہ کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں سے بلند کی گئی۔ چنانچہ اس سورۃ میں حج اور اس کے ارکان کا بھی ذکر ہے۔

## سورۂ کہف میں آنحضرت ﷺ کی ذات ہی کو مجمع البحرین قرار دیا گیا ہے

غرض اس عظیم الشان منذر و مبشر پیشگوئی کے تعلق میں جو حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ خدا تعالیٰ کے وعدوں کا حوالہ دیتے ہوئے بیت اللہ کی دائمی حفاظت اور زلزلہ وغیرہ کے متعلق کی گئی ہے۔ میرے نزدیک سورۂ کہف سے لے کر آخری سورۃ تک تمام سورتیں ایک لحاظ سے آنحضرت ﷺ کی بعثت ثانیہ کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان سورتوں میں ایک طرف نئی سے نئی بشری ضرورتوں کے پیش نظر شریعت اسلامیہ کے نئے سے نئے پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری طرف موقع ومحل کی مناسبت سے انباء غیب کا ایک حیرت انگیز اور اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ اس کی وسعت کو ملحوظ رکھیں تو ''كَلِمَاتُ رَبِّیْ'' (الکھف:110) کی یہ وسعت کہ ان کو احاطہ تحریر میں لانے کے لئے دو سمندروں کی سیاہی درکار ہوگی آشکار ہو جاتی ہے۔ دراصل **بحر** عربی زبان میں نہ صرف سمندر اور دریا کو کہتے ہیں بلکہ علم کی وسعت کو بھی اسی لفظ ''**بحر**'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورہ کہف میں آنحضرت ﷺ کو مَجْمَعُ الْبَحْرَیْنِ (الکھف:61) کا لقب دیا گیا ہے۔ یعنی وہ ذات جہاں دنیوی علوم اور روحانی علوم اکٹھے ہو کر ان کے درمیان موافقت تامہ پیدا ہوتی ہے اور کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔ اس لقب میں یہ پیشگوئی مضمر ہے کہ آپؐ کی ذات والا صفات کے ذریعہ سے مادی اور روحانی علوم کے درمیان موافقت پیدا ہو کر بنی نوع انسان کے لئے آپ مشعل ہدایت بنیں گے۔ یہی وہ دو سمندر ہیں جن کی روشنائی عالم غیب سے تعلق رکھنے والی باتوں کو بیان کرنے کے لئے درکار ہے جو بذریعہ وحی آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئیں۔

(بشکریہ ماہنامہ الفرقان۔ اگست 1954ء)

## بقیہ: ایک کامیاب علمی دنگل از صفحہ 2

بقیہ: ایک کامیاب علمی دنگل از صفحہ 2

گئے تھے (جیسا کہ فرمایا وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ) مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تعلیم دی گئی یعنی قرآن مجید وہ عالمگیر تھی کیونکہ آپؐ ''رحمۃ للعالمین'' تھے۔ پس وہ نبی جسے ایک جامع اور عالمگیر تعلیم سکھائی گئی اس سے زیادہ افضل ٹھہرا جسے صرف ایک قوم کی طرف بھیجا گیا۔

دوم: حضرت مسیحؑ کے بارے میں تو یہ آتا ہے کہ انہیں کتاب (توریت) اور حکمت سکھائی گئی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ کتاب اور حکمت دوسروں کو سکھانے والے تھے۔ جیسا کہ فرمایا: وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ ظاہر ہے کہ سکھانے والا یعنی (مُعلّم) سیکھنے والے کی نسبت زیادہ بہتر اور افضل ہوتا ہے۔

چھٹی دلیل فضیلت مسیحؑ کی پادری صاحب نے یہ دی کہ انہیں قرآن کریم میں کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ اگر مسیحؑ کو کلمۃ اللہ ہونے کی وجہ سے کوئی خصوصیت حاصل ہے تو ان کی اس خصوصیت میں کائنات کا ہر ذرّہ شریک ہے کیونکہ فرمایا: لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّیْ۔ غرض قرآن کریم کے نزدیک کائنات کی ہر شَے کلمۃ اللہ ہے۔ پس یہ کوئی وجہ فضیلت نہیں۔

آپ کے ہر جواب پر ہال تحسین وآفرین کے نعروں سے پہلے ہی گونج رہا تھا۔ اب جونہی آپ اپنی تقریر ختم کر کے سٹیج سے اتر کر باہر آئے تو پچاس ساٹھ جوشیلے مسلمان نوجوانوں نے آپ کو کندھوں پر اٹھا لیا۔ اور بار بار جزاکم اللہ، جزاکم اللہ کہنے لگے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ احمدی ہیں تو سب کہنے لگے کہ آخر احمدی بھی تو ہمارے بھائی ہیں۔ ان کے جوابات نے تو آج اسلام کی لاج رکھ لی اور مسلمانوں کا بول بالا ہوا۔

پادری غلام مسیح اسلام کے اس جری پہلوان کے جواب میں تردیداً تو کچھ نہ کہہ سکا۔ صرف اتنا کہا کہ اس مُجیب نے اَور رنگ میں جوابات دیئے ہیں۔ گویا خدا نے اس مُرتد کو بالکل لاجواب کر دیا۔ اور خدا کا الہام بڑے جلال سے پورا ہوا کہ:

''میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نُور اور اپنے دلائل اور نشانات کے رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔''

(ملخص از 'حیات قدسی' حصہ چہارم صفحہ 39 تا 46)

(ماخوذ از کتاب 'درویشانِ احمدیت۔ مصنّفہ مولانا فضل الٰہی صاحب انوری (مرحوم))


### خریداران الفضل انٹرنیشنل سے گزارش

کیا آپ نے الفضل انٹرنیشنل کا سالانہ چندہ خریداری ادا کر دیا ہے؟ اگر نہیں تو براہ کرم اپنی مقامی جماعت میں ادائیگی فرما کر رسید حاصل کر لیں اور اپنے ملک کے مرکزی شعبہ اشاعت کو مطلع فرمائیں۔ رسید کٹواتے وقت اپنے AFC نمبر کا حوالہ ضرور درج کروائیں۔ شکریہ

(مینجر)

# خطبہ جمعہ

## حضرت عمّار رضی اللہ عنہ کی سیرت کے متعلق گزشتہ خطبہ میں مذکور امور کے علاوہ بعض مزید روایات کا تذکرہ

## اسی طرح حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر کے حالات وسیرت کا ایمان افروز تذکرہ

دین کا علم سیکھنا، قرآن کریم کا علم سیکھنا یہ تو ہر ایک کے لئے اب میسر اور مہیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں ایم ٹی اے کے ذریعہ سے ہمیں ایک ایسا ذریعہ عطا فرما دیا ہے جس کے ذریعہ سے ہم اگر چاہیں تو دینی علم سیکھ سکتے ہیں۔ قرآن کریم کے درس اس میں ہوتے ہیں۔ حدیث کے درس ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کے درس ہوتے ہیں۔ خطبات ہیں۔ دوسرے خطابات ہیں، جلسے ہیں، تو کم از کم اس لحاظ سے اگر ہم اپنے آپ کو بھی اور اپنی نسلوں کو بھی اس ذریعہ سے جوڑ لیں تو یہ تربیت کا ایک بہت اچھا ذریعہ ہے۔ خلافت سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ اور ہر قسم کے فتنہ اور فساد سے بچانے والا بھی ہے۔ اور دینی علم بڑھانے والا بھی ہے۔ اس لئے اس طرف افراد جماعت کو بہت توجہ دینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ایم ٹی اے کا ذریعہ مہیا کیا ہے اس سے اپنے آپ کو جوڑیں۔

مکرم قاضی شعبان احمد خان صاحب ابن قاضی محمد سلمان صاحب کی لاہور (پاکستان) میں شہادت۔ شہید مرحوم کا ذکر خیر اور نماز جنازہ غائب۔

مکرمہ امۃ الحیٔ بیگم صاحبہ بنت سیٹھ محمد غوث صاحب کی وفات۔ مرحومہ کا ذکر خیر اور نماز جنازہ حاضر

خطبہ جمعہ سیدنا امیرالمومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ مورخہ 29؍جون 2018ء بمطابق 29؍احسان 1397 ہجری شمسی بمقام مسجد بیت الفتوح، مورڈن، لندن، یوکے

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔

گزشتہ خطبہ میں مَیں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں بیان کر رہا تھا۔ ان کے بارے میں کچھ روایتیں اَور تھیں وہ بھی مَیں آج بیان کروں گا۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمروؓ بن عاص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص سے اپنی وفات کے دن تک محبت کرتے رہے ہوں مجھے امید ہے کہ ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں ڈال دے گا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم دیکھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے محبت کرتے تھے اور تم کو عامل بناتے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص نے کہا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے محبت کرتے تھے یا میری تالیف قلب فرماتے تھے۔ لیکن ہم آپ کو ایک شخص سے محبت کرتے دیکھتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کون شخص ہے؟ حضرت عمروؓ بن عاص نے کہا کہ عمارؓ بن یاسرؓ وہ شخص تھے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ محبت کی۔ لوگوں نے اس بات کو سن کے کہا کہ جنگ صفین میں تم لوگوں نے ہی تو انہیں شہید کیا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص اس وقت امیر معاویہ کی طرفداری میں تھے۔ تو حضرت عمرو بن عاص نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم نے ہی انہیں قتل کیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ میں دو آدمیوں کے متعلق گواہ ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک ان سے محبت کرتے تھے وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ تھے۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 199 عمار بن یاسرؓ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت 1990ء)

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو شہید کر دیا گیا تو عمرو بن حزم حضرت عمرو بن عاص کے پاس آئے اور کہا کہ عمارؓ کو شہید کر دیا گیا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس کو باغی گروہ شہید کرے گا۔ تو حضرت عمرو گھبرا کر اٹھے اور حضرت معاویہ کے پاس گئے۔ حضرت معاویہ نے پوچھا کہ خیریت تو ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ حضرت معاویہ نے پوچھا کہ عمارؓ کو شہید کر دیا گیا ہے تو پھر کیا ہوا؟ حضرت عمرو نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس کو باغی گروہ قتل کرے گا اور معاویہ نے کہا کہ کیا ہم نے اس کو شہید کیا ہے؟ ان کو تو حضرت علیؓ نے اور ان کے ساتھیوں نے مروایا ہے جنہوں نے ان کو لا کر ہمارے نیزوں کے سامنے یا ہماری تلواروں کے سامنے ڈال دیا ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین جلد 3 صفحہ 474 کتاب معرفۃ الصحابہ ذکر مناقب عمار بن یاسرؓ حدیث 5726 مطبوعہ دارالحرمین للطباعۃ والنشر والتوزیع 1997ء)

بہرحال حضرت عمرو بن عاص میں ایک تو نیکی تھی جو اُن کو فکر پیدا ہوئی لیکن امیر معاویہ نے اس کو اتنی اہمیت نہیں دی۔ بہرحال صحابہ کو بڑی فکر ہوا کرتی تھی جب ان کو کوئی روایت پہنچتی تھی یا خود انہوں نے کبھی سنا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بارے میں انذار فرمایا ہے یا کوئی خوشخبری دی۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت عمارؓ کے متعلق فرمایا کہ ''وہ ایڑھیوں سے لے کر اپنے سر کی چوٹی تک ایمان سے بھرے ہوئے تھے''۔ (فضائل صحابہؓ از امام احمد بن حنبل مترجم صفحہ 520 فضائل سیدنا عمار بن یاسرؓ، مترجم نوید احمد بشار۔ مطبوعہ بک کارنر پرنٹرز پبلشرز 2016ء)

حضرت خبابؓ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ قریب ہو جاؤ۔ اس مجلس کا آپ سے زیادہ کوئی حقدار نہیں سوائے عمّار کے۔ پھر حضرت خبابؓ حضرت عمرؓ کو اپنی کمر کے زخموں کے نشان دکھانے لگے جو انہیں مشرکین نے پہنچائے تھے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب السنۃ باب فضائل خبابؓ حدیث 153)

حضرت عمر ان کی عزت افزائی فرما رہے تھے کیونکہ انہوں نے ابتدائی زمانے میں بہت تکلیفیں اٹھائیں اور ساتھ ہی حضرت عمارؓ کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے بھی بہت زیادہ تکلیفیں اٹھائیں۔

ایک روایت حضرت عمارؓ کی حضرت علیؓ کی شہادت کے بارے میں بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی سے متعلق ہے۔ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ غزوہ ذات العشیرۃ میں مَیں اور حضرت علیؓ رفیق سفر تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر اپنا پڑاؤ ڈالا۔ ہم نے بنومُدْلِجْ کے کچھ لوگوں کو دیکھا جو اپنے باغات کے چشموں میں کام کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ مجھ سے کہنے لگے کہ آؤ ان لوگوں کے پاس چل کر دیکھتے ہیں کہ یہ کس طرح کام کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے قریب چلے گئے۔ تھوڑی دیر تک ہم نے ان کے کام کو دیکھا پھر ہمیں نیند آ گئی۔ چنانچہ میں اور حضرت علیؓ واپس آ گئے اور ایک باغ میں مٹی کے اوپر ہی لیٹ گئے۔ اللہ کی قسم ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی آ کر اٹھایا یا جگایا۔ آپ ہمیں پاؤں سے ہلا رہے تھے اور ہم مٹی سے لَت پت ہو چکے تھے۔ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے ابوتراب! اس مٹی کی وجہ سے جو اُن پر نظر آ رہی تھی آپ نے ان کو ابوتراب کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا مَیں تمہیں ان دو آدمیوں کے متعلق نہ بتاؤں جو لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت ہیں۔ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ایک تو قوم ثمود کا وہ سرخ وسفید آدمی جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اور دوسرا وہ آدمی اے علیؓ جو تمہارے سر پر وار کرے گا اور تمہاری داڑھی کو خون سے تر کر دے گا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ

261 حدیث عمار بن یاسرؓ حدیث 18511 مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1998ء)

ابومِجْلَز کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے مختصر سی نماز پڑھی۔ ان سے کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو حضرت عمارؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں سرِ مُو بھی فرق نہیں کیا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 262 حدیث عمار بن یاسرؓ حدیث 18514 مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1998ء)

اس روایت کی ایک تفصیل اس طرح بھی ملتی ہے۔ ابومِجْلَز کے حوالے سے ہی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے ہمیں بہت مختصر نماز پڑھائی۔ لوگوں کو اس پر تعجب ہوا۔ حضرت عمارؓ نے کہا کہ کیا میں نے رکوع اور سجود مکمل نہیں کئے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ حضرت عمارؓ نے کہا کہ میں نے اس میں ایک دعا کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانگا کرتے تھے اور وہ دعا یہ ہے کہ اَللّٰھُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَیْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَی الْخَلْقِ أَحْیِنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَیَاةَ خَیْرًا لِیْ وَتَوَفَّنِیْ إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِیْ۔ اَسْأَلُكَ خَشْیَتَكَ فِی الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ وَكَلِمَةَ الْحَقِّ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا وَالْقَصْدَ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنٰی وَلَذَّةَ النَّظَرِ إِلٰی وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ إِلٰی لِقَائِكَ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَمِنْ فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ۔ اَللّٰھُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَةِ الْاِیْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مَهْدِیِّیْنَ۔ کہ اے اللہ! غیب کا علم تجھے ہی ہے اور تمام مخلوق پر تیری قدرت ہی حاوی ہے۔ تُو مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تیرے علم میں میری زندگی میرے لئے بہتر ہے اور مجھے اس وقت وفات دے جب موت میرے لئے بہتر ہو۔ اے اللہ! میں غیب اور حاضر میں تجھ سے تیری خشیت کا طلبگار ہوں اور غضب اور رضا کی حالت میں کلمہ حق کہنے کی طاقت مانگتا ہوں اور تنگدستی اور فراخی میں میانہ روی اختیار کرنے اور تیرے چہرے پر پڑنے والی لذت والی نظر اور تیری لقا کا شوق تجھ سے مانگتا ہوں اور میں کسی تکلیف دہ امر اور گمراہ کر دینے والے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! ہمیں ایمان کی خوبصورتی کے ساتھ مزین کر دے اور ہمیں ہدایت پانے والے لوگوں کے لئے رہنما بنا دے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 262 حدیث عمار بن یاسرؓ حدیث 18515 مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1998ء)

یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ ہر جمعہ کو منبر پر سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 193 عمار بن یاسرؓ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1990ء)

حارث بن سُوَید کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت عمرؓ کے پاس حضرت عمارؓ کی چغلی کھائی، شکایت کی۔ حضرت عمارؓ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے اپنے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور کہا اے اللہ! اگر اس شخص نے مجھ پر جھوٹا افترا کیا ہے تو اس کو دنیا میں کشائش عطا کر اور اس کی آخرت لپیٹ دے۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 194 عمار بن یاسرؓ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1990ء)

ابونوفل بن ابی عَقْرَب کہتے ہیں کہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ سب سے زیادہ سکوت کرنے والے اور سب سے کم کلام کرنے والے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ میں فتنہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 194 عمار بن یاسرؓ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1990ء)

خَیْثَمَہ بن ابی سَبْرَہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ آیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے کسی نیک آدمی کی صحبت میسر فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت ابوہریرہؓ کی صحبت میسر فرمائی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کن لوگوں میں سے ہو؟ میں نے کہا میرا تعلق سرزمین کوفہ سے ہے۔ میں علم اور بھلائی لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ کیا تمہارے ہاں مُجَابُ الدعوۃ (جس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں) حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پانی اور نعلین اٹھانے والے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدان حضرت حذیفہؓ بن یمان، اور عمارؓ بن یاسرؓ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ فرمان جاری ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شیطان سے پناہ دے رکھی ہے، اور دو کتابوں انجیل اور قرآن کا علم رکھنے والے حضرت سلمانؓ موجود نہیں ہیں؟ (المستدرک علی الصحیحین جلد 3 صفحہ 481 کتاب معرفۃ الصحابۃ ذکر مناقب عمار بن یاسرؓ حدیث 5746 مطبوعہ دار الحرمین للطباعۃ والنشر والتوزیع 1997ء)۔ آپ نے یہ بات بیان فرمائی کہ جب یہ لوگ ہیں تو تم نے ان سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔

محمد بن علی بن حَنَفِیَّہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ سے فرمایا کیا میں تمہیں وہ دَم سکھاؤں جو جبرئیل نے مجھ پر کیا ہے؟ حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا جی یا رسول اللہ! کہتے ہیں کہ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دم سکھایا کہ بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِیْكَ وَاللّٰهُ یَشْفِیْكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ یُّؤْذِیْكَ کہ مَیں اللہ کے نام سے شروع کر کے تمہیں دَم کرتا ہوں اور اللہ تمہیں ہر اس بیماری سے شفا دے جو تمہیں تکلیف دے۔ تم اسے پکڑ لو اور خوش ہو جاؤ۔ (المستدرک علی الصحیحین جلد 3 صفحہ 482-481 کتاب معرفۃ الصحابۃ ذکر مناقب عمار بن یاسرؓ حدیث 5748 مطبوعہ دار الحرمین للطباعۃ والنشر والتوزیع 1997ء)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ اور حضرت سلمانؓ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مشتاق ہے۔ (الاستیعاب جلد 3 صفحہ 1138 عمار بن یاسرؓ مطبوعہ دار الجیل بیروت 1992ء)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں تمہارے درمیان کتنی دیر رہوں گا۔ پس تم میرے بعد ان لوگوں کی اقتدا کرنا۔ آپ نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کی جانب اشارہ فرمایا۔ اور عمارؓ کے طریق کو اپنانا۔ اور جو تمہیں ابن مسعودؓ بیان کریں ان کی تصدیق کرنا۔ (سنن الترمذی ابواب المناقب باب مناقب عمار بن یاسرؓ حدیث 3799)

حضرت عمارؓ کے تعلق سے ہی گزشتہ ہفتہ میں ذکر ہوا تھا کہ حضرت عمارؓ مفسدین کے دھوکہ میں آ گئے تھے۔ جب حضرت عثمان نے انہیں گورنر کی تحقیق کرنے کے لئے بھیجا تھا تو آپؓ مفسدین کے گروہ کے پاس چلے گئے اور پوری طرح تحقیق نہیں ہوئی۔ تو اس بات کو بیان کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے خلاف جو فساد پیدا ہوا اور خلافت کے خلاف جو ساری باتیں پیدا ہوئیں تو یہ اس وجہ سے پیدا ہوئیں کہ ان لوگوں کی تربیت صحیح نہیں تھی اور بہت کم مرکز میں آیا کرتے تھے۔ ان کو قرآن کریم کا علم بہت کم تھا۔ دین کا علم بہت کم تھا۔ اس لئے آپ نے جماعت کو اس وقت تلقین کی کہ اس چیز سے تم لوگوں کو عبرت اور نصیحت پکڑنی چاہئے۔ اس لئے ایک تو یہ کہ قرآن کریم کا علم سیکھو۔ مرکز سے ہمیشہ رابطہ رکھو اور دین کا علم سیکھو تا کہ اگر آئندہ بھی کسی بھی قسم کا کوئی فتنہ جماعت میں اٹھتا ہے تو تم لوگ ہمیشہ اس سے بچ سکو۔

(ماخوذ از انوار خلافت، انوار العلوم جلد 3 صفحہ 171)

پس اس بات کو ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ ہر کوئی نہ تو مرکز میں آ سکتا ہے اور اس طرح خلافت کے ساتھ ذاتی تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک بات بہرحال ہے کہ دین کا علم سیکھنا، قرآن کریم کا علم سیکھنا یہ تو ہر ایک کے لئے اب میسر اور مہیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں ایم ٹی اے کے ذریعہ سے ہمیں ایک ایسا ذریعہ عطا فرما دیا ہے جس کے ذریعہ سے ہم اگر چاہیں تو دینی علم سیکھ سکتے ہیں۔ قرآن کریم کے درس اس میں ہوتے ہیں۔ حدیث کے درس ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کتب کے درس ہوتے ہیں۔ خطبات ہیں۔ دوسرے خطابات ہیں، جلسے ہیں، تو کم از کم اس لحاظ سے اگر ہم اپنے آپ کو بھی اور اپنی نسلوں کو بھی اس ذریعہ سے جوڑ لیں تو یہ تربیت کا ایک بہت اچھا ذریعہ ہے۔ خلافت سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ اور ہر قسم کے فتنہ اور فساد سے بچانے والا بھی ہے۔ اور دینی علم بڑھانے والا بھی ہے۔ اس لئے اس طرف افراد جماعت کو بہت توجہ دینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ایم ٹی اے کا ذریعہ مہیا کیا ہے اس سے اپنے آپ کو جوڑیں۔

حضرت ابولُبابہؓ بن عبد المنذر ایک اور صحابی ہیں ان کا ذکر بھی کچھ کروں گا۔ حضرت ابولُبابہؓ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا نام بعض بشیر بتاتے ہیں۔ اور ابن اسحاق کے نزدیک ان کا نام رِفاعہ ہے۔ علامہ زمخشری کے نزدیک ان کا نام مروان ہے۔ بہرحال یہ انصار کے قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے اور بارہ نقیبوں میں سے تھے اور بیعت عقبہ میں شامل ہوئے۔

غزوہ بدر کے موقع پر مدینہ سے نکلتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم کو مدینہ کا امیر مقرر کیا لیکن جب آپ رَوْحَاء مقام کے قریب پہنچے جو مدینہ سے 36 میل کے فاصلہ پر ہے تو غالباً اس خیال سے کہ عبداللہ ایک نابینا آدمی ہے اور لشکر قریش کی آمد کی خبر کا تقاضا ہے کہ آپ کے پیچھے مدینہ کا انتظام بھی مضبوط رہے آپ نے حضرت ابولُبابہ بن منذر کو مدینہ کا امیر مقرر کر کے واپس بھجوا دیا اور حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم کے متعلق حکم دیا کہ وہ صرف امام الصلوۃ رہیں مگر انتظامی کام حضرت ابولُبابہ سرانجام دیں۔ (ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 354)۔ بہرحال اس طرح آدھے راستے سے واپس چلے گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت میں ان کا حصہ مقرر کیا۔“

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ جلد 7 صفحہ 290 ابولبابہ بن عبد المنذرؓ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 1995ء)

غزوہ بدر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور حضرت ابولُبابہؓ تینوں باری باری اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ حضرت علی اور حضرت ابولُبابہؓ نے بڑے اصرار سے عرض کیا کہ ہم پیدل چلتے ہیں اور حضور سوار رہیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مانا اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تم دونوں چلنے میں مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں اور نہ ہی میں تم دونوں سے اجر کے بارے میں زیادہ بے نیاز ہوں۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 353)

(الطبقات الکبریٰ جلد2 صفحہ16-15 غزوہ بدر مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1990ء)

غزوہ بدر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو اہل مدینہ کو خوشخبری پہنچانے کے لئے روانہ کیا۔ حضرت زیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر آئے تھے۔ جب وہ مصلی (نماز کی جوجگہ تھی) پہنچے تو آپ نے اپنی سواری سے بلند آواز سے کہا کہ ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، حجاج کے بیٹے ابوجہل اور ابوالبختر ی، زمعہ بن الاسود، امیّہ بن خلف یہ سب مارے گئے ہیں اور سہیل بن عمرو اور بہت سارے قیدی بنا لئے گئے ہیں۔ لوگ زید بن حارثہ کی بات پر یقین نہیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ زید شکست کھا کر لوٹے ہیں اور اس بات نے مسلمانوں کو غصہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ (منافقین اور مخالفین جو تھے وہ یہ کہا کرتے تھے) اور وہ خود خوفزدہ بھی ہو گئے ہیں (اس لئے یہ باتیں کر رہے ہیں۔) منافقین میں سے ایک شخص نے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ سے کہا کہ تمہارے آقا اور ان کے ساتھ جو گئے تھے وہ سب مارے جا چکے ہیں۔ ایک شخص نے حضرت ابولُبابہ سے کہا کہ تمہارے ساتھی اب اس طرح بکھر چکے ہیں کہ دوبارہ کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود اور آپ کے چوٹی کے اصحاب شہید ہو چکے ہیں اور یہ آپ کی اونٹنی ہے اور ہم اسے جانتے ہیں۔ مخالفین کہنے لگے کہ زید کو تو رعب کی وجہ سے خود ہی پتہ نہیں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے اور شکست کھا کے لوٹا ہے۔ حضرت ابولبابہ نے کہا اللہ تعالیٰ تمہاری بات کو جھٹلائے گا۔ یہود بھی یہی کہتے تھے کہ زیدؓ ناکام و نامراد اور شکست کھا کر لوٹا ہے۔ حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے علیحدگی میں دریافت کیا کہ اے ابّا آپ جو کہتے ہیں کیا وہ سچ ہے۔ حضرت زید نے کہا اے میرے بیٹے اللہ کی قسم! جو میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے۔ حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ اس سے میرا دل مضبوط ہو گیا۔

(کتاب المغازی جلد اوّل صفحہ 114 بدر القتال مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2004ء)

حضرت ابولُبابہؓ کی سادگی اور فدائیتِ رسول کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ 5 ہجری میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے فارغ ہو کر شہر میں واپس تشریف لائے تو ابھی آپ بمشکل ہتھیار وغیرہ اتار کر نہانے دھونے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے کشفی رنگ میں یہ بتایا گیا کہ جب تک بنوقریظہ کی غداری اور بغاوت کا فیصلہ نہیں ہو جاتا آپ کو ہتھیار نہیں اتارنے چاہئیں۔ آپ نے صحابہ میں اعلان کر دیا کہ سب لوگ بنوقریظہ کے قلعوں کی طرف روانہ ہو جائیں اور نماز عصر وہیں پہنچ کر ادا کی جائے گی۔ شروع شروع میں تو یہودی لوگ سخت غرور اور تمرّد ظاہر کرتے رہے لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کو محاصرہ کی سختی اور اپنی بے بسی کا احساس ہونا شروع ہوا (کہ مسلمانوں نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا تھا) اور بالآخر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ (بہرحال) انہوں نے یہ تجویز کی کہ کسی ایسے مسلمان کو جو اُن سے تعلقات رکھتا ہو اور اپنی سادگی کی وجہ سے ان کے داؤ میں آ سکتا ہو اپنے قلعہ میں بلائیں اور اس سے یہ پتہ لگانے کی کوشش کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے متعلق کیا ارادہ ہے تا کہ وہ اس کی روشنی میں آئندہ طریق عمل تجویز کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایلچی روانہ کر کے یہ درخواست کی کہ ابولُبابہؓ بن منذر انصاری کو ان کے قلعہ میں بھجوایا جاوے تا کہ وہ اس سے مشورہ کر سکیں۔ آپ نے ابولُبابہؓ کو اجازت دی اور وہ ان کے قلعہ میں چلے گئے۔ اب رؤوسائے بنوقریظہ نے یہ تجویز کی ہوئی تھی کہ جونہی ابولُبابہؓ قلعہ کے اندر داخل ہو سب یہودی عورتیں اور بچے روتے چلّاتے ان کے گرد جمع ہو جائیں اور اپنی مصیبت اور تکلیف کا ان کے دل پر پورا پورا اثر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ ابولُبابہؓ پر یہ داؤ چل گیا اور بنوقریظہ کے سوال پر کہ اے ابولبابہ! تو ہمارا کیا حال دیکھ رہا ہے؟ کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر اپنے قلعوں سے اتر آویں؟ ابولبابہ نے بے ساختہ جواب دیا ہاں اتر آؤ۔ مگر ساتھ ہی اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے قتل کا حکم دیں گے۔ حضرت ابولبابہ کہتے ہیں کہ جب یہ خیال آیا کہ میں نے خدا اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے (یا جو اشارہ کیا ہے تو غلط طریقہ سے کر دیا ہے) تو میرے پیر لڑکھڑانے لگے۔ آپ وہاں سے مسجد نبوی میں آئے (ابولبابہؓ مسجد نبوی میں آئے) اور مسجد کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا (کہ یہ میری سزا ہے) اور کہا کہ جب تک خدا تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کرے گا اسی طرح بندھا رہوں گا۔ حضرت ابولبابہ کہتے ہیں کہ میرے بنوقریظہ جانے اور جو کچھ مَیں نے وہاں کیا اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اس کے بارے میں جو چاہے گا فرمائے گا۔ اگر وہ میرے پاس آتا تو میں اس کے لئے بخشش طلب کرتا۔ جب وہ میرے پاس نہیں آیا اور چلا گیا ہے تو اسے جانے دو۔ حضرت ابولُبابہؓ کہتے ہیں کہ میں پندرہ دن اس ابتلا میں رہا۔ آپ کہتے ہیں کہ میں نے ایک خواب دیکھا تھا اور میں اسے یاد کرتا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ہم نے بنوقریظہ کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور گویا میں ایک بدبودار کیچڑ میں ہوں۔ مَیں اس سے نکل نہیں سکتا اور قریب تھا کہ مَیں اس کی بدبو سے ہلاک ہو جاتا۔ پھر میں نے ایک نہر دیکھی جو بہہ رہی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں اس میں غسل کر رہا ہوں یہاں تک کہ میں نے اپنے آپ کو پاک صاف کیا اور تب مجھے خوشبو آ رہی تھی۔ آپ حضرت ابوبکرؓ کے پاس اس کی تعبیر پوچھنے کے لئے گئے تھے تو حضرت ابوبکر نے اس کی تعبیر یہ کی کہ تمہیں ایسا معاملہ پیش آئے گا جس کی وجہ سے تمہیں غم پہنچے گا پھر تمہیں اس سے نجات دی جائے گی۔ حضرت ابولُبابہؓ کہتے ہیں کہ میں بندھا ہوا حضرت ابوبکرؓ کی بات کو یاد کرتا تھا اور امید رکھتا تھا کہ میری توبہ قبول کی جائے گی۔ حضرت اُمّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ابولُبابہؓ کے توبہ کی قبولیت کی خبر میرے گھر میں نازل ہوئی۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی اس وقت ہوئی)۔ کہتی ہیں کہ میں نے سحر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے دیکھا۔ میں نے عرض کیا اللہ آپ کو ہمیشہ مسکراتا رکھے آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابولُبابہؓ کی توبہ قبول ہو گئی۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں ان کو آگاہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتی ہو تو کر دو۔ حضرت اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا (یہ پردے کے احکام نازل ہونے سے قبل کی بات ہے) کہ اے ابولُبابہؓ خوش ہو جاؤ۔ اللہ نے آپ پر فضل کرتے ہوئے آپ کی توبہ قبول کر لی ہے۔ لوگ دوڑ کر حضرت ابولُبابہؓ کو کھولنے لگے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مجھے کھولیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے تو اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا۔ حضرت ابولُبابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں اپنے آبائی گھر کو جہاں مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا ہے چھوڑتا ہوں۔ یہ بہت بڑی غلط بات مجھ سے ہو گئی اس لئے میں اپنا گھر بار چھوڑتا ہوں اور میں اپنے مال کو اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ صرف ایک تہائی مال کا صدقہ کرو۔ حضرت ابولبابہ نے ایک تہائی مال صدقہ کیا اور آپ نے اپنا آبائی گھر چھوڑ دیا۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیین از صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 597 تا 599)

(اسد الغابہ جلد 6 صفحہ 262-261 ابولبابہؓ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، کتاب المغازی جلد 2 صفحہ 12-11 غزوہ بنی قریظہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2004ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس تفصیل کے علاوہ بھی اس واقعہ کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بنوقریظہ کا معاملہ طے ہونے والا تھا۔ ان کی غداری ایسی نہیں تھی کہ نظرانداز کی جاتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس آتے ہی اپنے صحابہ سے فرمایا کہ گھروں میں آرام نہ کرو بلکہ شام سے پہلے پہلے بنوقریظہ کے قلعوں تک پہنچ جاؤ اور پھر آپ نے حضرت علی کو بنوقریظہ کے پاس بھجوایا کہ وہ ان سے پوچھیں کہ انہوں نے معاہدہ کے خلاف یہ غداری کیوں کی ہے۔ (بیچ میں چھوڑ کے چلے گئے تھے)۔ بجائے اس کے کہ بنوقریظہ شرمندہ ہوتے یا معافی مانگتے یا کوئی معذرت کرتے انہوں نے حضرت علی اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کی مستورات کو گالیاں دینے لگے اور کہا ہم نہیں جانتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز ہیں۔ ہمارا ان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں۔ حضرت علی ان کا یہ جواب لے کر واپس لوٹے تو اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ یہود کے قلعوں کی طرف جا رہے تھے۔ چونکہ یہود گندی گالیاں دے رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں کے متعلق ناپاک کلمات بول رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے اس خیال سے کہ آپ کو ان خیالات سے تکلیف ہو گی عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ ہم لوگ اس لڑائی کے لئے کافی ہیں۔ آپ واپس تشریف لے جائیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ گالیاں دے رہے ہیں اور تم یہ نہیں چاہتے کہ میرے کان میں وہ گالیاں پڑیں۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! بات تو یہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر کیا ہوا اگر وہ گالیاں دیتے ہیں۔ موسیٰ نبی تو ان کا اپنا تھا ان کو اس سے بھی زیادہ انہوں نے تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ یہ کہتے ہوئے آپ یہود کے قلعوں کی طرف چلے گئے مگر یہود دروازے بند کر کے قلعہ بند ہو گئے اور مسلمانوں کے ساتھ لڑائی شروع کر دی حتی کہ ان کی عورتیں بھی لڑائی میں شریک ہوئیں۔ چنانچہ قلعہ کی دیوار کے نیچے کچھ مسلمان بیٹھے تھے کہ ایک یہودی عورت نے اوپر سے پتھر پھینک کر ایک مسلمان کو مار دیا۔ لیکن کچھ دن کے محاصرہ کے بعد یہود نے یہ محسوس کر لیا کہ وہ لمبا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تب ان کے سرداروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کی کہ وہ ابولُبابہؓ انصاری کو جو اُن کے دوست اوس قبیلہ کے سردار تھے ان کے پاس بھجوائیں تا کہ وہ ان سے مشورہ کر سکیں۔ آپ نے ابولُبابہؓ کو بھجوا دیا۔ ان سے یہود نے یہ مشورہ پوچھا کہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مطالبہ کو کہ فیصلہ میرے سپرد کرتے ہوئے تم ہتھیار پھینک دو۔ ہم یہ مان لیں؟ ابولُبابہؓ نے منہ سے تو کہا ہاں لیکن اپنے گلے پر اس طرح ہاتھ پھیرا جس طرح قتل کی علامت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک اپنا کوئی فیصلہ ظاہر نہیں کیا تھا مگر ابولُبابہؓ نے اپنے دل میں یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کے جرم کی سزا سوائے قتل کے اور کیا ہو گی بغیر سوچے سمجھے اشارے کے ساتھ ان سے ایک بات کہہ دی جو آخر ان کی تباہی کا موجب ہوئی۔ چنانچہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ مان

لیتے تو دوسرے یہودی قبائل کی طرح ان کو زیادہ سے زیادہ یہی سزا دی جاتی کہ ان کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا جاتا مگر ان کی بدقسمتی تھی کہ انہوں نے کہا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ماننے کے لئے تیار نہیں بلکہ ہم اپنے حلیف قبیلہ اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ کا فیصلہ مانیں گے۔ جو فیصلہ وہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔ لیکن اس وقت یہود میں اختلاف ہو گیا۔ یہود میں سے بعض نے کہا کہ ہماری قوم نے غداری کی ہے اور مسلمانوں کے رویّے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مذہب سچا ہے۔ وہ لوگ اپنا مذہب ترک کر کے اسلام میں داخل ہو گئے۔ ایک شخص عمرو بن سعدی نے جو اس قوم کے سرداروں میں سے تھا اپنی قوم کو ملامت کی اور کہا کہ تم نے غداری کی ہے کہ معاہدہ توڑا ہے۔ اب یا تو مسلمان ہو جاؤ یا جزیہ پر راضی ہو جاؤ۔ یہود نے کہا نہ مسلمان ہوں گے نہ جزیہ دیں گے کہ اس سے قتل ہونا اچھا ہے۔ پھر ان سے اس نے کہا کہ میں تم سے بری ہوتا ہوں اور یہ کہہ کر قلعہ سے نکل کر باہر چل دیا۔ جب وہ قلعہ سے باہر نکل رہا تھا تو مسلمانوں کے ایک دستہ نے جس کے سردار محمد بن مَسلمہؓ تھے اسے دیکھ لیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اس نے بتایا کہ مَیں فلاں ہوں۔ اس پر محمد بن مسلمہؓ نے فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنِیْ اِقَالَۃَ عَثَرَاتِ الْکِرَامِ۔ یعنی اپنی سلامتی سے چلے جائیے اور پھر اللہ سے دعا کی کہ الٰہی مجھے شریفوں کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے نیک عمل سے کبھی محروم نہ کیجیو۔ یعنی یہ شخص چونکہ اپنے فعل پر اور اپنی قوم کے فعل پر پچھتاتا ہے تو ہمارا بھی اخلاقی فرض ہے کہ اسے معاف کر دیں اس لئے میں نے اسے گرفتار نہیں کیا اور جانے دیا۔ خدا تعالیٰ مجھے ہمیشہ ایسے ہی نیک کاموں کی توفیق بخشتا رہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے محمد بن مسلمہؓ کو سرزنش نہیں کی کہ کیوں اس یہودی کو چھوڑ دیا بلکہ اس کے فعل کو سراہا۔''
(ماخوذ از دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد 20 صفحہ 282 تا 284)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی جو کہا جاتا ہے کہ آپ نے زیادتیاں کیں اور ظلم کئے اور یہودی قبائل کو قتل کیا تو یہ تو خود اپنی تباہی کے ذمہ وار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروانے کے بجائے انہوں نے اپنے ایک سردار سے، دوسرے قبیلہ کے سردار سے جو مسلمان ہو چکے تھے ان سے فیصلہ کروایا اور پھر ان کی کتاب کے مطابق یہ فیصلہ ہوا۔ بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی الزام نہیں۔ نہ صحابہ پر ہے کہ انہوں نے کوئی ظلم کیا۔

علامہ ابن سعد نے لکھا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ غزوہ قینقاع اور غزوہ سویق میں بھی حضرت ابولبابہؓ کو مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 2 صفحہ 22 باب غزوہ قینقاع وغزوہ سویق مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1990ء)

حضرت ابولبابہؓ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ انصار کے قبیلہ عمرو بن عوف کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت ابولبابہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں شریک رہے۔

(الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 349 واخوھا ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1990ء)

ان کی وفات کے بارے میں بعض کے نزدیک حضرت ابولبابہؓ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد وفات پائی۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ 50 ہجری کے بعد تک زندہ رہے۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابہ جلد 7 صفحہ 290 ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت 1995ء)

سعید بن مُسیّب روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن بارش کی دعا کی اور فرمایا اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا۔ اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا۔ اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا۔ کہ اے اللہ ہم پر بارش برسا اے اللہ! ہم پر بارش برسا اے اللہ! ہم پر بارش برسا۔ ابولبابہؓ کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ پھل باغوں میں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آسمان میں ہمیں کوئی بادل نظر نہیں آ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! ہم پر بارش برسا یہاں تک کہ ابولبابہؓ ننگے بدن اپنے کھلیان میں پانی کا سوراخ اپنے کپڑے سے بند کرے۔ کہتے ہیں کہ دعا کے بعد آسمان سے پانی برسنا شروع ہو گیا۔ بادل آئے۔ بارش شروع ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ راوی کہتے ہیں کہ انصار حضرت ابولبابہؓ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ اے ابولبابہ! اللہ کی قسم یہ بارش اس وقت تک نہیں رکے گی جب تک تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ننگے بدن اپنے کپڑے کے ذریعہ اپنے کھلیان سے پانی کے نکاس کا راستہ نہیں روکو گے۔ چنانچہ حضرت ابولبابہؓ اپنے کپڑے کے ذریعہ نکاس کا راستہ بند کرنے کھڑے ہو گئے اور اس کے بعد بارش رک گئی۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد 3 صفحہ 500 کتاب صلاۃ الاستسقاء باب الاستسقاء بغیر صلاۃ و یوم الجمعۃ علی المنبر حدیث 6530 مطبوعہ مکتبۃ الرشد بیروت 2004ء)

حضرت ابولبابہ اپنے نواسے عبدالرحمن بن زید (جو حضرت عمرؓ کے بھتیجے تھے) کو ایک کھجور کی چھال میں لپیٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ابولبابہ تمہارے پاس کیا ہے؟ حضرت ابولبابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میرا نواسہ ہے۔ میں نے اس جیسا کمزور نومولود کبھی نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نومولود کو اٹھایا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ اس دعا کی برکت سے جب عبدالرحمن بن زید لوگوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہوتے تو قد میں سب سے لمبے نظر آتے تھے۔ حضرت عمر نے ان کی شادی اپنی بیٹی فاطمہ سے جو حضرت اُمّ کلثوم کے بطن سے تھیں اور حضرت اُمّ کلثوم حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی بیٹی تھیں، کروائی تھی۔ (امتاع الاسماع جلد 6 صفحہ 146 فصل فی ذکر اسلافہ ﷺ من قبل حفصۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 1999ء)

حضرت انسؓ بن مالک نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دو آدمیوں کے گھر سب سے زیادہ دور تھے۔ ایک حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر کا۔ ان کا گھر قبا میں تھا اور حضرت ابوعَبس بن جبر۔ یہ قبیلہ بنو حارثہ میں رہتے تھے۔ وہ دونوں عصر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ (مستدرک علی الصحیحین جلد اوّل صفحہ 309 کتاب الصلوٰۃ باب مواقیت الصلوٰۃ حدیث 703 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2002ء)

تو یہ ان صحابہ کے حالات تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند سے بلند تر کرتا چلا جائے۔

جمعہ کی نماز کے بعد میں دو جنازے پڑھاؤں گا۔ ایک جنازہ حاضر ہے۔ ایک غائب ہے۔

جنازہ غائب مکرم قاضی شعبان احمد خان صاحب شہید کا ہے۔ ساکن سروبا گارڈن لاہور۔ قاضی شعبان احمد سلیمان خان صاحب ابن قاضی محمد سلیمان صاحب کو 25؍جون 2018ء کو ان کو مخالفین نے ان کے گھر میں گھس کر فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ 47 سال ان کی عمر تھی۔ تفصیلات کے مطابق 25 جون کی رات نقاب پہنے ہوئے دو افراد گھر میں داخل ہوئے۔ قاضی صاحب اور ان کی اہلیہ ایک کمرے میں تھے جبکہ ان کی بیٹیاں دوسرے کمرے میں تھیں۔ قاضی صاحب کی اہلیہ واش روم میں تھیں۔ جب وہ باہر نکلیں تو باہر دو نقاب پوش افراد موجود تھے۔ ان نقاب پوش افراد میں سے ایک نے قاضی صاحب کی اہلیہ کے سر پر پستول تانی اور ان کو دوسرے کمرے میں لے گیا جہاں ان کی بیٹیاں موجود تھیں۔ جبکہ دوسرا شخص قاضی صاحب کے کمرے میں ہی تھا اس نے تین گولیاں قاضی صاحب کے پیٹ میں ماریں جن سے موقع پر ان کی شہادت ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

شہید مرحوم نے 2001ء میں اپنے ایک دوست محمد اقبال صاحب کے ذریعہ بمع اہل و عیال بیعت کی تھی۔ قاضی صاحب مظفر آباد (کشمیر) کے رہنے والے تھے۔ 2001ء میں نشتر کالونی سروبا گارڈن لاہور میں شفٹ ہوئے اور اس سے کچھ عرصہ قبل ٹاؤن شپ لاہور میں بھی رہے۔ قاضی شعبان صاحب معذور بچوں کا سکول چلا رہے تھے اور ان کی اپنی رہائش سکول کی بالائی منزل پر تھی۔ آج کل ان کے گھر کے نچلے حصہ میں سکول کی تعمیرات کا کام ہو رہا تھا اور شٹرنگ ہو رہی تھی۔ اسی شٹرنگ میں یہ نقاب پوش افراد پہلے آ کے چھپ گئے اور پھر موقع پا کر حملہ کیا۔

شہید مرحوم بے شمار خوبیوں کے حامل تھے۔ بیعت کے بعد مکرم قاضی صاحب بہت ہی مخلص اور نیک انسان ثابت ہوئے۔ خلافت سے بے پناہ محبت اور گہری وابستگی تھی۔ شہید مرحوم نے گھر میں ایم ٹی اے دیکھنے کے لئے ڈش انٹینا لگا رکھا تھا تا کہ خود بھی اور اپنے گھر والوں کو بھی خلافت کے ساتھ وابستہ رکھیں۔ چندوں اور دیگر مالی قربانیوں میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیتے تھے۔ صدر حلقہ کی عاملہ میں سیکرٹری سمعی بصری کے طور پر خدمت کر رہے تھے اور لوگوں کا ڈش انٹینا بھی بغیر معاوضہ کے ٹھیک کر دیتے تھے۔ قاضی صاحب کی شادی ان کی کزن سے ہوئی تھی۔ دونوں خاندانوں میں صرف قاضی صاحب، ان کی اہلیہ اور بچے ہی احمدی تھے۔ فیملی کے دیگر افراد ان کے احمدی ہونے کی وجہ سے ان کے مخالف ہو گئے۔ چند ماہ قبل قاضی صاحب کا برادر نسبتی ان کے گھر آیا اور کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ مرزائی ہو گئے ہو۔ اسی دوران اس کی نظر چھت پر لگے ڈش انٹینا پر پڑی تو اسے توڑنے لگا۔ قاضی صاحب نے اس کو روکا تو آپس میں ان کی تلخ کلامی بھی ہوئی۔ بہرحال اس کے بعد ان کے برادر نسبتی نے اپنی بہن سے کہا کہ تمہارا نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ اس لئے تم میرے ساتھ چلو کیونکہ یہ تمہارا خاوند تو مرزائی ہو گیا ہے۔ اس پر قاضی صاحب مرحوم کی اہلیہ نے اپنے بھائی سے کہا کہ مَیں خود بھی احمدی ہوں اور مسلمان ہوں اور قاضی صاحب کو بھی مسلمان سمجھتی ہوں۔ مَیں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔ ان کی اہلیہ نے بتایا کہ شہید مرحوم کو مخالفین کی طرف سے دھمکیاں دی جا رہی تھیں جن کی وجہ سے وہ کافی پریشان تھے اور کچھ دنوں سے خاموش تھے اور گھر سے باہر کم نکلتے تھے۔ مکرم قاضی صاحب شہید نے اپنی اہلیہ کو بھی کہا تھا کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو سب سے پہلے صدر صاحب حلقہ کو اطلاع کرنا۔ چنانچہ انہوں نے واقعہ شہادت کے بعد ایسا ہی کیا اور جماعت کے عہدیداران کو اطلاع کی اور نہایت استقامت دکھاتے ہوئے باوجود اس کے کہ ان کے غیر از جماعت رشتہ دار بھی آئے ہوئے تھے ان کی اہلیہ نے کہا کہ جنازہ احمدی پڑھیں گے اور تدفین بھی

احمدی کریں گے۔ قاضی صاحب کے چند غیر احمدی عزیز و اقارب ان کی وفات پر مسجد بیت النور میں بھی آئے لیکن انہوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ قاضی صاحب کی اہلیہ اور بچیاں بھی جنازہ کے ساتھ قبرستان تک گئیں۔

شہید مرحوم نے لواحقین میں اہلیہ مکرمہ شہناز شعبان صاحبہ 40 سال ان کی عمر ہے اور تین بیٹیاں عزیزہ کرن 19 سال، سدرہ شعبان 18 سال اور ملائکہ 11 سال چھوڑی ہیں۔ یہ تینوں بیٹیاں پولیو کی وجہ سے کچھ معذور بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا خود ہی کفیل ہو اور ان کو ہر پریشانی سے بچا کے رکھے اور قاضی صاحب کے درجات بلند فرماتا چلا جائے۔

دوسرا جنازہ جو حاضر جنازہ ہے وہ محترمہ امۃ الحئی بیگم صاحبہ بنت سیٹھ محمد غوث صاحب کا ہے۔ 23/جون کو سو سال سے اوپر کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ان کے والد سیٹھ محمد غوث صاحب کی دو خصوصیات ہیں۔ ایک یہ کہ اگرچہ وہ صحابی تو نہیں تھے لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بہشتی مقبرہ قادیان میں صحابہ کے قطعہ میں دفن کرنے کی اجازت دی تھی۔ (تاریخ احمدیت جلد 14 صفحہ 211)

دوسری خصوصیت ان کی یہ تھی کہ کتاب اصحاب احمد میں لکھا ہے کہ سیٹھ محمد غوث گزشتہ 42 سال سے وہ پہلے خوش قسمت انسان ہیں جن کا جنازہ آج ٹھیک اسی جگہ اور اسی حلقہ میں پڑھا جا رہا ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جسد اطہر رکھا گیا تھا۔ اس موقع پر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے ایک سٹول یا کرسی پر کھڑے ہو کر بآواز بلند اس کی ایک شہادت بھی دی تھی۔ (اصحابِ احمدؑ جلد 9 صفحہ 268-269 سیرت حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانیؓ)

امۃ الحئی صاحبہ کے نکاح کے وقت گو کہ آپ کے والد موجود تھے مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے والد کی خواہش پر خود ان کے ولی بنے اور نکاح پڑھایا اور اپنے خطبہ میں فرمایا کہ سیٹھ صاحب کی چھوٹی لڑکی امۃ الحئی کے نکاح کا اعلان مَیں اس وقت کر رہا ہوں جو خان صاحب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب کے قریبی عزیز اور شاید بھانجے محمد یونس صاحب کے ساتھ قرار پایا ہے۔ اس رشتہ میں بھی سیٹھ صاحب نے اخلاص مدنظر رکھا ہے۔ تمدّن کے اختلاف کی وجہ سے میں ان کو لکھتا تھا کہ حیدرآباد میں رشتہ کریں مگر ان کی خواہش تھی کہ قادیان یا پنجاب میں رشتہ ہو تا قادیان آنے کے لئے ایک اور تحریک ان کے لئے پیدا ہو جائے۔ محمد یونس صاحب ضلع کرنال کے رہنے والے ہیں جو دہلی کے ساتھ لگتا ہے مگر حیدرآباد کی نسبت قادیان سے بہت نزدیک ہے۔ سیٹھ صاحب کا خاندان ایک مخلص خاندان ہے۔ ان کی مستورات کے ہمارے خاندان کی مستورات، ان کی لڑکیوں کے میری لڑکیوں سے اور ان کے لڑکوں کے میرے ساتھ ایسے مخلصانہ تعلقات ہیں کہ گویا خانہ واحد والا معاملہ ہے۔ ہم ان سے اور وہ ہم سے بے تکلف ہیں اور ایک دوسرے کی شادی اور غمی کو اس طرح محسوس کرتے ہیں جیسے اپنے خاندان کی شادی اور غمی ہو۔ ان کی لڑکی امۃ الحئی کا نکاح ایک ہزار روپیہ مہر پر محمد یونس صاحب ولد عبدالعزیز صاحب ساکن لاڈوا ضلع کرنال کے ساتھ قرار پایا۔ خلیفہ ثانی فرماتے ہیں کہ سیٹھ صاحب نے لڑکی کی طرف سے مجھے ولی مقرر کیا ہے۔ (ماخوذ از خطباتِ محمود (خطباتِ نکاح) جلد 3 صفحہ 553)

امۃ الحئی صاحبہ صوم و صلوٰۃ کی پابند، دعا گو، خلافت کی اطاعت گزار، بڑا اخلاص رکھنے والی تھیں۔ مجھے بھی ملنے آیا کرتی تھیں۔ باوجود بڑھاپے کے یہاں آتی تھیں اور بڑے اخلاص کا اظہار کرتی تھیں۔ بہت نیک اور صالحہ خاتون تھیں۔ موصیہ تھیں۔ پسماندگان میں دو بیٹیاں اور دو بیٹے اور کثیر تعداد میں پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ محمد ادریس صاحب حیدرآبادی (آف جرمنی) کی والدہ تھیں۔ ان کے ایک پوتے مصور صاحب یہاں بھی ہیں۔ خدام الاحمدیہ میں کام کرتے ہیں۔

اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی نسلوں کو بھی خلافت سے سچا اور حقیقی تعلق قائم رکھنے کی توفیق دے۔

---

## بقیہ: میدان نعت رسول مقبول ﷺ اور اس کے سرخیل۔ حضرت مسیح موعودؑ

از صفحہ 10

آن کہ بر صدق و کمالش در جہاں
صد دلیل و حجتِ روشن عیاں
آن کہ انوارِ خدا بر روئے او
مظہر کارِ خدائے کوئے او
آن کہ جملہ انبیاء و راستاں
خادمانش ہمچو خاکِ آستاں
آن کہ مہرش میرساند تا سما
می کند چوں ماہِ تاباں در صفا

(روحانی خزائن ۔ کمپیوٹرائزڈ: جلد ا — براہینِ احمدیہ حصہ چہارم: صفحہ 627)

ترجمہ: وہ جہاں کا بادشاہ جس کا نام مصطفیٰ ہے جو عاشق حق کا سردار اور شمس الضحیٰ ہے — وہ وہ ہے کہ ہر نور اسی کے طفیل سے ہے اور وہ وہ ہے کہ جس کا منظور کردہ خدا کا منظور کردہ ہے — اس کا وجود زندگی کے لئے آب رواں ہے اور حقایق اور معارف کا ایک ناپیدا کنار سمندر ہے — وہ کہ جس کی سچائی اور کمال پر دنیا میں سینکڑوں دلیلیں اور روشن براہین ظاہر ہیں — وہ جس کے منہ پر خدائی انوار برستے ہیں اور جس کا کوچہ نشانات الٰہی کا مظہر ہے — وہ کہ تمام نبی اور راستباز خاک در کی طرح اسکے خادم ہیں — وہ کہ جس کی محبت آدمی کو آسمان تک پہنچاتی ہے اور صفائی چمکتے ہوئے چاند کی طرح بنا دیتی ہے —

اب ایک ایسی نعت بیان کروں گا جو فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ ہے، جو اتنی خوبصورت ہے کہ معاندین نے اس کا سرقہ بھی کیا اور اپنی طرف سے شائع کی۔ ایک ماہنامہ رسالہ ''ضیائے حرم'' لاہور سے شائع ہوا کرتا تھا جس کے مدیر اعلیٰ پیر کرم علی شاہ صاحب جو کہ بھیرہ کی معروف گدی کے سجادہ نشین تھے نے اس رسالہ کے آخری صفحہ پر حضورؑ کی مندرجہ ذیل معرکۃ الآراء فارسی نعت دی ہے اور اس کے تحریر کرنے والے کا نام بیان کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

(ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، جلد 2 اپریل 1972، صفر 1392 شمارہ 7 صفحہ 172)

وہ نعت یہ ہے:۔

جان ودلم فدائے جمال محمدؐ است
خاکم نثار کوچۂ آل محمدؐ است
دیدم بعین قلب وشنیدم بگوش ہوش
درہر مکاں ندائے جلال محمدؐ است
این چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرۂ ز بحر کمال محمدؐ است
این آتشم ز آتش مہر محمدؐ یست
وایں آب من ز آب زلال محمدؐ است

(درثمین فارسی، مطبوعہ رقیم پریس یوکے، 1990، صفحہ 89)

میری جان و دل محمد ﷺ کے جمال پر فدا ہیں اور میری خاک آل محمد ﷺ کے کوچے پر قربان ہے — میں نے دل کی انکھوں سے دیکھا اور عقل کے کانوں سے سنا — ہر جگہ محمد ﷺ کے جلال کا شہرہ ہے — معارف کا یہ دریائے رواں جو میں مخلوق خدا کو دے رہا ہوں یہ محمد ﷺ کے کمالات کے سمندر میں سے ایک قطرہ ہے — یہ میری آگ محمد ﷺ کے عشق کی آگ کا ایک حصہ ہے اور میرا پانی محمد ﷺ کے مصفا پانی میں سے لیا ہوا ہے —

اب جس نظم کا ذکر خاکسار کرے گا اس میں ایک شعر ہے جو (خاکسار کے محدود علمی بساط کے مطابق) جہاں علم تصوف کی جان ہے۔ وہیں کان خلقہ القرآن کی خوبصورت تفسیر ہے۔

فرماتے ہیں:

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمدؐ ہست برہان محمدؐ

ترجمہ: اگر تو اس کی سچائی کی دلیل چاہتا ہے تو اسکا عاشق بن جا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی خود محمد کی دلیل ہے —

عجب نوریست درجان محمدؐ
عجب لعلیست در کان محمدؐ
ز ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف
کہ گردد از محبّان محمدؐ
عجب دارم دل آن ناکسان را
کہ رو تابند از خوان محمدؐ
ندانم ہیچ نفسے در دو عالم
کہ دارد شوکت و شان محمدؐ
خدا زاں سینہ بیزارست صدبار
کہ ہست از کینہ دارانِ محمدؐ
خداخود سوزد آں کرم دنی را
کہ باشد از عدوّانِ محمدؐ
اگر خواہی نجات ازمستی نفس
بیا در ذیل مستانِ محمدؐ
اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت
بشو از دل ثناخوانِ محمدؐ
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمدؐ ہست برہان محمدؐ
سرے دارم فدائے خاک احمد
دلم ہر وقت قربان محمدؐ
دگر اُستاد را نامے ندانم
کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

(روحانی خزائن ۔ کمپیوٹرائزڈ: جلد 5 — آئینہ کمالات اسلام: صفحہ 649)

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان میں ایک عجیب نور ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کان میں ایک عجیب وغریب لعل ہے — دل اسوقت ظلمتوں سے پاک ہوتا ہے جب وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں میں داخل ہو جاتا ہے — میں ان نالائقوں کے دلوں پر تعجب کرتا ہوں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان سے منہ پھیرتے ہیں — دونوں جہان میں میں کسی شخص کو نہیں جانتا — جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سی شان وشوکت رکھتا ہو — خدا اس شخص سے سخت بیزار ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کینہ رکھتا ہو — خدا خود اس ذلیل کیڑے کو جلا دیتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں سے ہو — اگر تو نفس کی مستیوں سے نجات چاہتا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مستانوں میں سے ہو جا — اگر تو چاہتا ہے کہ خدا تیری تعریف کرے تو تہ دل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مدح خواں بن جا — اگر تو اس کی سچائی کی دلیل چاہتا ہے تو اس کا عاشق بن جا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی خود محمد کی دلیل ہے — میرا سر احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک پا پر نثار ہے اور میرا دل ہر وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان رہتا ہے — میں کسی اور استاد کا نام نہیں جانتا کیونکہ میں نے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زانوئے تلمّذ طے کیا ہے۔

جیسا کہ چند مثالیں دے کر واضح کیا گیا ہے کہ فارسی نعت کے میدان میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں کہ باقی تمام ادباء وشعراء کا مجموعی کلام نہ تو اس کے معیار و مرتبہ تک پہنچتا ہے اور نہ اس کی تعدّدی کثرت و وسعت تک۔

بہرحال اگر سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے کلام کو آپؑ ہی کے ایک شعر میں سمو کر بیان کیا جائے تو وہ شعر شائد (خاکسار کے ناقص علم کے مطابق) یہ ہوگا۔

شان احمد را کہ داند جُز خداوندِ کریم
آن چناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم

(درثمین فارسی، مطبوعہ رقیم پریس یوکے، 1990، صفحہ 101)

ترجمہ: احمد کی شان تو سوائے خدائے کریم کے اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ اپنی خودی سے اس طرح الگ ہو گیا کہ میم درمیان سے گر گیا —

(باقی آئندہ)

..............................

# میدانِ نعت رسول مقبول ﷺ

# اوراس کے سرخیل۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(خواجہ عبدالعظیم احمد۔مبلغ نائیجیریا)

**دوسری قسط**

## نعت گوئی اورزبان فارسی

عرب شعراء کی طرح فارسی زبان میں بھی خاطرخواہ نعتیں اور قصائد کہے گئے۔ ان شعرا میں مولانا رومی، نظامی، حکیم سنائی، امیرخسرو، جامی، فیضی، سعدی شیرازی، عرفی، وغیرہ اور دیگر کئی شعرا اس میدان میں طبع آزمائی کرتے نظر آتے ہیں۔شعرا نے آپ ﷺ کے بے شمار اوصاف جمیلہ اورسیرت طیبہ کواپنے کلام میں بیان کیا۔

اگرہم فارسی نعت گوشعرا کا کلام دیکھیں تو بہت کچھ لکھا گیا اور بہت کچھ کہا گیا۔شعراء نے جس پہلو سے حضرت رسول اللہ ﷺ کو (دل کی آنکھ سے) دیکھااس نے اسی طرح بیان کیا۔ یہاں اب کچھ مشہور ومعروف شعراء کے اشعار دیئے جائیں گے اورآخر پر سیدنا حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا فارسی منظوم کلام دیا جائے گا اورنتیجہ قاری پر چھوڑ دیا جائے کہ خود ہی فیصلہ کرے کہ کس کا کلام وحی الٰہی سے ممسوح ہے اور کس کے کلام میں آنحضرت ﷺ کاعشق بولتا ہوانظر آتا ہے۔اورکس کے کلام میں متابعت محمدی چھلکتی ہودکھائی دیتی ہے۔

سعدی شیرازی کی ایک نعت کے تین اشعار ملاحظہ فرمائیں:

خدایا بحقِ بنی فاطمہ
کہ برِ قولِ ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی، ور قبول
من و دست و دامانِ آلِ رسول
چہ وَصفَت کُند سعدیِ ناتمام
علیکَ الصلٰوۃ اے نبیّ السلام

ترجمہ: اے خدا حضرت فاطمہؓ کی اولاد کے طفیل میرا خاتمہ ایمان پر کر۔خواہ میری دعا کورد کر یا قبول کر، کیونکہ میں آلِ رسول ﷺ کے دامن سے لپٹا ہوا ہوں۔ سعدی ناچیز وحقیر آپ ﷺ کا کیا وصف بیان کرے، اے نبی ﷺ آپ پرصلوۃ وسلام ہو۔

خواجہ قمرالدین سیالوی اپنے ایک کلام میں کہتے ہیں:

آں جملہ رسل ہادی برحق کہ گزشتند
برفضلِ تو اے ختم رسل دادہ گواہی
در خَلق و در خُلق توئی نیر اعظم
لاتُدرِک اوصافک لم تُدرِ کَماہی
یا احسن یا اجمل یا اکمل اکرم
واللہ باخلاقک فی الملا یُباہی
تو باعث تکوین معاشی و معادی
اے عبد الہ ہست مسلم بتو شاہی
زآفاق پریدی و ز افلاک گزشتی
درجاتک فی السدرۃ غیر المتناہی
امید بکرمت کہ مکارم شیم تست
من کیستم و چیست معاصی و تباہی
آئس نیم ازفضل تو اے روح خداوند
نظرے کہ رباید ز قمر رنج و سیاہی

/www.oururdu.com/forums//http:
(index.php?threads/162

ترجمہ: آج تک جتنے سچے رسول گزرے ہیں، اے خاتم المرسلین! سب نے آپ کی بزرگی کی گواہی دی ہے۔ صورت اورسیرت میں آپ آفتاب عالمتاب ہیں ۔ نہ آپ کے اوصاف کا احاطہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کی حقیقت کو سمجھا جاسکتا ہے۔اے سب سے زیادہ حسین ! سب سے زیادہ جمیل ، سب سے زیادہ کامل ، سب سے زیادہ سخی ! ملائکہ کی محفل میں اللہ تعالی آپ کے اخلاق پر فخر کرتا ہے۔یارسول اللہ! دنیا اورآخرت کی تکوین کا باعث آپ ہیں۔اے اللہ تعالی کے برگزیدہ بندے کونین کی شاہی تجھے بخشی گئی ہے۔آپ نے آفاق سے پرواز کی اور آسمانوں سے بھی گزر گئے۔آپ کے درجات مقامِ سدرہ سے بھی آگے نکل گئے۔میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کرم کا امیدوار ہوں اور کرم فرمانا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پسندیدہ عادات میں سے ہے ۔ اس نوازش کے سامنے میری کیا حقیقت ہے،میرے گناہوں کی کیا حیثیت ہے۔ اے رحمت الٰہی ! میں تیرے فضل وکرم سے مایوس نہیں ۔ایک ایسی نظر فرمایئے جوقمر سے رنج وسیاہی کودور کردے۔

عرفؔی نے نعت بیان کرنے میں احتیاط کوموضوع بناتے ہوئے کہا :

عرفی مشاب ایں رہ نعت است نہ صحرا ست
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قلم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعت شہ کونین و مدیح کے وجم را

www.nosokhan.com/Library//http:)
(/Topic/1F23

ترجمہ: اے عرفی! تو اتنی تیزی نہ دکھا۔ یہ نعت کا راستہ ہے، کوئی صحرانہیں ہے کہ تو آنکھیں بند کر کے دوڑتا چلا جائے گا۔ یہ راستہ تو بہت کٹھن ہے اور اس کی کیفیت تلوار کی دھار پر چلنے کا نام ہے۔ تجھے تو ہوشیار رہنا چاہئے اور رسول اللہ ﷺ کی مدح گوئی اور کے وجم (بادشاہوں) کے قصیدے کہنے کوایک ہی آہنگ وانداز نہیں رکھا جاسکتا۔

فارسی نعتوں میں بعض جگہ اس قسم کی چیزیں ملتی ہیں جو قرآن وحدیث کی بنیادی تعلیم سے ہٹی ہوئی ہیں۔ یا بعض جگہ نعت ومنقبت کی کشمکش اور بعض دفعہ نعت سے زیادہ فرقہ پرستی واپنے فرقے کے عقائد کا بیان زیادہ ترملتا ہے۔اس کے برعکس سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں صرف اورصرف خالص نعت ملتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سلطان القلم کے خطاب سے نوازا۔ جہاں آپ سلطان القلم تھے وہیں آپ کا قلم،قلم السلطان تھا۔آپ کے رشحات القلم سے وہ لٹریچر معرض وجود میں آیا کہ دنیا دنگ اوراس کی زبان گنگ ہوکے رہ گئی۔

آپؑ فرماتے ہیں:

”یادرکھوہماری حرب ان کے ہم رنگ ہوگی جس قسم کے ہتھیار وہ لے کرآئے ہیں اسی طرز کے ہتھیار ہم کو لے کر چلنا چاہئے اور وہ ہتھیار ہے قلم۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام سلطان القلم رکھا اورمیرے قلم کو ذوالفقار علی فرمایا۔“

(الحکم جلد 5 نمبر 22 مؤرخہ 17 جون 1901 صفحہ 2 کالم نمبر 2)

آپؑ کی فارسی نظم ونثر بھی عربی نظم ونثر کی طرح عدیم المثال ہے۔اس کے عدیم المثال ہونے کی وجہ خود اللہ تعالیٰ نے بیان کی کہ

”درکلام تُو چیزے است کہ شعرائی را دراں دخلے نیست۔ كَلَامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَبٍّ كَرِيْمٍ“

ترجمہ: تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے۔“

(تذکرہ،ایڈیشن ہفتم مارچ 2008،مطبوعہ قادیان،صفحہ 508)

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ حضورؑ کے کلام کا خاصہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے ہر کلام میں ہرنظم میں، ہر قصیدہ کے شروع میں یا تو حمد باری تعالیٰ ہے یا پھر آنحضرت صلوٰت اللہ علیہ والتسلیم کی بابرکت نعت ملتی ہے یا حضورؑ جوبھی مضمون بیان فرمارہے ہوں اس کا رخ، رخِ فرخ ﷺ کی طرف کردیتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کا فارسی کلام تو اتنا فصیح وبلیغ ہے، اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کے سامنے تمام شعرا اوران کا کلام معمولی حیثیت کا حامل لگتا ہے، مثلاً ایک جگہ آپؑ رسول اللہ ﷺ سے اپنی لازوال محبت کا اظہار فرماتے ہیں:۔

یانبی اللہ فدائے ہرسرِ موئے توام
وقفِ راہِ توکنم گر جاں دہندم صد ہزار
دل اگرخوں نیست از بہرت چہ چیزاست آندلے
و رنثارِتو نگردد جان کجا آید بکار
یانبی اللہ نثار روئے محبوب توام
وقفِ راہت کردہ ام این سرکہ بردوش ست بار
تا بمن نور رسولِ پاک را بنمودہ اند
عشق او در دل ہمی جوشد جوآب از آبشار
صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن
وآن مسیح ناصری شد از دمِ او بےشمار
تاجدار ہفت کشور آفتاب شرق و غرب
بادشاہِ ملک وملّت ملجاءِ ہر خاکسار
کامران آن دِل کہ زددرراہ اوازصدق گام
نیک بخت آں سرکہ میداردسرآں شہسوار

(روحانی خزائن ۔کمپیوٹرائزڈ: جلد 5– آئینہ کمالات اسلام: صفحہ 26,27)

اے نبی اللہ! میں تیرے بال بال پر فدا ہوں اگر مجھے ایک لاکھ جانیں بھی ملیں تو تیری راہ میں سب کوقربان کردوں– دل اگر تیری محبت میں خون نہیں تو وہ دل ہی نہیں اور جو جان تجھ پر قربان نہ ہو وہ جان کس کام کی– اے نبی اللہ میں تیرے پیارے مکھڑے پر نثار ہوں میں نے اس سر کوجوکندھوں پر بار ہے تیری راہ میں وقف کردیا ہے– جب سے مجھے رسول پاک کا نور دکھایا گیا تب سے اس کا عشق میرے دل میں یوں جوش مارتا ہے جیسے آبشار میں سے پانی– میں اس (ﷺ) کے چاہ ذقن میں لاکھوں یوسف دیکھتا ہوں اور اس کے دم سے بےشمار مسیح ناصری پیدا ہوئے– وہ ہفت کشور کا شہنشاہ اورمشرق ومغرب کا آفتاب ہے دین ودنیا کا بادشاہ اورہر خاکسار کی پناہ ہے– کامیاب ہو گیا وہ دل جو صدق ووفا کے ساتھ اس کی راہ پر چلا خوش قسمت ہے وہ سر جو اس شہسوار سے تعلق رکھتا ہے–

ایک اورجگہ آپ اپنی ایک نہائت خوبصورت فارسی نعت میں بیان فرماتے ہیں:

در دلم جوشد ثنائے سرورے
آں کہ درخوبی ندارد ہمسرے
آں کہ جانش عاشق یارِ ازل
آں کہ روحش واصل آں دلبرے
آں کہ مجذوب عنایات حق ست
ہمچو طفلے پروریدہ در برے
آں کہ در برّ و کرم بحرِعظیم
آں کہ در لطف اتم یکتا دُرے
آں کہ در جود و سخا ابر بہار
آں کہ درفیض وعطا یک خاورے
آں رحیم و رحم حق را آیتے
آں کریم و جود حق را مظہرے
آں رخ فرخ کہ یک دیدار او
زشت رو را می کندخوش منظرے
آں دل روشن کہ روشن کردہ است
صد درون تیرہ را چوں اخترے
آں مبارک پے کہ آمد ذات او
رحمتے زاں ذات عالم پرورے

(روحانی خزائن ۔کمپیوٹرائزڈ: جلد 1۔براہینِ احمدیہ حصہ اول: صفحہ 17 تا 23)

ترجمہ: میرے دل میں اس سردار کی تعریف جوش ماررہی ہے جوخوبی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا– وہ جس کی جان خدائے ازلی کی عاشق ہے وہ جس کی روح اس دلبر میں واصل ہے– وہ جوخدا کی مہربانیوں سے اس کی طرف کھینچا گیا ہےاورخدا کی گود میں ایک بچہ کی مانند پلا ہے– وہ جونیکی اور بزرگی میں ایک بحرعظیم ہےاور کمال خوبی میں ایک نایاب موتی ہے– وہ جوبخشش اورسخاوت میں ابر بہار ہےاورفیض وعطا میں ایک سورج ہے– وہ رحیم ہےاوررحمت حق کا نشان ہے وہ کریم ہے اور بخشش خداوندی کا مظہر ہے– اس کا مبارک چہرہ ایسا ہے کہ اس کا ایک ہی جلوہ بدصورت کوحسین بنا دیتا ہے– وہ ایسا روشن ضمیر ہےجس نے روشن کردیا سینکڑوں سیاہ دلوں کو ستاروں کیطرح ، وہ ایسا مبارک قدم ہے کہ اس کی ذات خداتعالیٰ کی طرف سے رحمت بن کرآئی ہے–

اوراس عظیم الشان نعت کے آخر پر فرماتے ہیں:

اے خداوندم بنام مصطفیٰ
کش شدے درہر مقامے ناصرے
دست من گیر از رہ لطف و کرم
در مہمم باش یار و یاورے
تکیہ بر زورِ تو دارم گرچہ من
ہمچو خاکم بلکہ زاں ہم کمترے

(بحوالہ بالا)

ترجمہ: اے میرے خدا! مصطفیٰ کے نام پر جس کا تو ہرجگہ مددگار رہا ہے– اپنے لطف وکرم سے میرا ہاتھ پکڑ اورمیرے کاموں میں میرا دوست اور مددگار بن جا– میں تیری قوت پر بھروسہ رکھتا ہوں اگرچہ میں خاک کی طرح ہوں بلکہ اس سے بھی کمتر–

آپؑ نے اپنے فارسی کلام میں حضرت رسول کریم ﷺ کی بے نظیر صفات کا بیان بھی فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

آں شہِ عالم کہ نامش مصطفی
سیدِ عشاق حق شمس الضحیٰ
آن کہ ہر نورے طفیل نور اوست
آن کہ منظور خدا منظور اوست
آن کہ بہر ز ندگی آبِ رواں
درمعارف ہمچو بحر بیکراں

باقی صفحہ نمبر 9 پر ملاحظہ فرمائیں

# چوہدری محمد علی صاحب مضطرؔ (مرحوم)

(آصف محمود باسط۔ لندن)

یہ 1990ء کی بات ہے۔ میں ربوہ میں نووارد تھا۔ کراچی سے میٹرک کر کے ربوہ پہنچا تھا۔ اس سے پہلے ربوہ میں میرا قیام پیدائش کے چند ماہ بعد سے لے کر سات سال کی عمر تک رہا تھا۔ اس کے بعد ہم والد محترم مولانا عبدالباسط شاہد صاحب کے ساتھ زیمبیا چلے گئے۔ 1987 میں واپسی ہوئی تو مجھے کراچی میں رکنا پڑا۔ والد اور والدہ ربوہ میں مقیم رہے۔ میٹرک کیا اور کالج میں داخلہ لینے کے لئے ربوہ آ گیا۔ اگرچہ بچپن کا ابتدائی حصہ ربوہ میں گزرا تھا اور ربوہ کی بہت سی حسین یادیں اس دور کی بھی تازہ تھیں، مگر ہوش کی حالت میں ربوہ سے ملاقات کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ ہر شہر کی طرح ربوہ کی بھی ایک اپنی شخصیت تھی جو ہر نووارد کو فوراً کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ ربوہ میں خلافت کی ہجرت کر جانے کے زخم ابھی تازہ ہی تھے۔ اور اس زخم کی جلن ربوہ کی شخصیت کا ایک حصہ تھی۔ مسجد مبارک میں خاص اہتمام سے نمازِ مغرب کے لئے بالخصوص دور نزدیک سے جمع ہونے والوں کے ہجوم اس زخم کا پتہ دیتے تھے، اور ''توں نئیں تے تیریاں یاداں سہی'' کی کیفیت کے مظہر تھے۔ ربوہ کی گلیوں میں کئی احساسات تھے جو دھڑکتے تھے۔ جدائی کا احساس، ہجر کا کرب، وصل کی امید۔ مجھ نووارد کا جس ربوہ نے استقبال کیا وہ ان احساسات سے معمور تھا۔ انہی دنوں روزنامہ الفضل ربوہ میں ایک غزل شائع ہوئی۔ اس کے مطلع نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

کس کی یاد آ گئی ناگہاں شہر میں
رُک گئے کرب کے کارواں شہر میں

یہ تو بعینہٖ اس کیفیت کی عکاسی تھی جس کیفیت کو میں ربوہ کے نام سے جاننے لگا تھا۔ کرب کے کارواں ربوہ کی گلی کوچوں میں واقعۃً ایسے ہی رقص کرتے تھے۔ اس شعر نے دل کو بہت زور سے اپنی گرفت میں لے لیا۔ ادب میں سماجی کیفیات کے اظہار کو دیکھنے کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ اور شاید اسی دن سے ادب کی یہ اہمیت دل میں راسخ بھی ہو گئی۔ جیسے عجلت کے مارے لوگ ناول شروع کرتے ساتھ ہی آخر پر جا کر دیکھ لیتے ہیں کہ مرکزی کردار زندہ رہا یا مر گیا، میں نے بھی اسی عجلت سے باقی تمام اشعار کو چھوڑ کر آخر پر شاعر کا نام دیکھا۔ ''چوہدری محمد علی''۔ میں انہیں نہیں جانتا تھا۔ میں تب ویسے بھی کم ہی کسی شاعر کو جانتا تھا۔ خیر! ناواقفیت کے باعث میرے لئے یہ نام بے معنی ٹھہرا، مگر شعر کے اندر زندگی کی ایسی رمق میں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ شعر و ادب سے واقفیت یوں بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ تھی تو بس اس قدر کہ جب زیمبیا روانہ ہوئے تو میری والدہ نے پاکستان کے سکولوں میں پڑھائی جانے والی اردو کی نصابی کتب رکھ لیں، جن سے وہ مجھے اردو لکھنا پڑھنا سکھاتیں۔ زیمبیا میں قیام کے پانچ سالوں میں سے پہلے سال دو سال ہی میں یہ کتب میں کئی مرتبہ پڑھ بھی چکا تھا اور املاء وغیرہ کے سلسلہ میں لکھ بھی چکا تھا۔ کتابیں ازبر ہونے کے ساتھ ساتھ غیر دلچسپ بھی ہو چکی تھیں۔ لہٰذا والد صاحب کو یہ طریقہ سوجھا (اللہ انہیں بہت جزا دے) کہ روزنامہ الفضل جو باقاعدگی سے مشن ہاؤس میں آتا ہی تھا، اس سے اردو پڑھنے اور لکھنے کی مشق کی جائے۔ تو اردو ادب سے پہلے تعارف کا ذریعہ الفضل بنا۔ اس سے پہلے پانچویں جماعت تک کی کتب میں مضامین یا منظوم کلام جس سطح کے ہوتے ہیں وہ سبھی جانتے ہیں۔ سو الفضل نے ایک انجانی دنیا کا دروازہ کھولا اور وہ دنیا تھی جماعت احمدیہ کا دبستان۔ شاعری والد صاحب اسی سے پڑھاتے بھی اور لکھواتے بھی، مگر اس کی گہرائی سے واقفیت کم عمری کے باعث کم کم ہی ہو پائی۔ مگر اس روز الفضل میں یہ جو شعر پڑھا، اور جو زور سے دل کو لگا، اس میں اس بنیاد کا ضرور ایک اہم کردار تھا۔

خیر، میں نے شاعر کے نام کو نظرانداز کیا اور اگلے اشعار پڑھنے لگا۔ اب آپ بھی میرے ساتھ ہجر زدہ ربوہ کی سردیوں کی ایک دوپہر کی نرم گرم دھوپ میں بیٹھ کر اگلے اشعار ملاحظہ فرمائیں

لے گیا اپنے ہمراہ سب رونقیں
وہ جو تھا اک حسیں نوجواں شہر میں
وہ جہاں بھی رہے مسکراتا رہے
کہہ رہے ہیں یہ خالی مکاں شہر میں
شہر کا ناز تو شہر سے جا چکا
کس لئے آئے ہو اب میاں! شہر میں

آخری شعر پڑھ کر تو واقعی میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ یوں لگا کہ شعر کا مخاطب میں ہوں جو اس ہجرت زدہ شہر میں منہ اٹھا کر چلا آیا ہوں۔ دل پر ایک عجیب اداسی کی کیفیت غالب آ گئی۔ ان دنوں میں مسجد مبارک میں مغرب کی نماز باقاعدگی سے ادا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ شام ڈھلے مغرب کی نماز کے لئے مسجد مبارک پہنچا تو نماز سے پہلے صف میں قبلہ رُو کھڑے ہوئے باہر قصر خلافت پر نظر پڑی۔ اس روز پڑھا ہوا وہ شعر کسی عفریت کی طرح میرے ذہن پر سوار ہو گیا

وہ جہاں بھی رہے مسکراتا رہے
کہہ رہے ہیں یہ خالی مکاں شہر میں

یہ خالی مکان تو جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ مکان تو کہہ ہی رہا تھا کہ وہ جہاں بھی رہے مسکراتا رہے، مگر ساتھ ساتھ جانے والے سے گویا یہ سوال بھی کر رہا تھا کہ اب میں کبھی مسکراؤں گا بھی کہ نہیں؟ ساتھ ربوہ کی ڈھلتی ہوئی شام اور کہیں دُور چکّی کے کوکنے کی آواز بھی شامل کر لیں، تو آپ اس اداس کیفیت کو شاید سمجھ سکیں۔

الفضل ہمارے یہاں روزانہ آتا تھا اور روزانہ اسے پڑھنے کا اہتمام بھی ہمیشہ نظر آیا۔ ایک تو گھر میں یہ رجحان تھا جس نے مجھے بھی الفضل کا باقاعدہ قاری بنا دیا اور ایک سبب یہ بھی شاید ہو کہ اس دور میں وقت گزارنے (یا ضائع کرنے) کے ذرائع کی اس قدر بہتات نہ تھی جو آج ہماری نوجوان نسل کو میسر ہے۔ پھر ربوہ کی گرمیوں کی طویل، نہ ختم ہونے والی دوپہروں میں ایسا نوجوان جو کراچی جیسے سبک رفتار شہر سے آیا ہو، اسے نیند کا نہ آنا کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ سو الفضل ان صحرا بدوش دوپہروں کا ساتھی بن گیا۔ اب یہ تھا کہ الفضل کھول کر سب سے پہلے صفحہ نمبر 2 پر جا کر وہاں چھپی ہوئی غزل یا نظم پڑھی جائے۔ مصلح الدین راجیکی، روشن دین تنویر، خواجہ ظہور الدین اکمل، مختار شاہجہانپوری، سلیم شاہجہانپوری، عبدالمنان ناہید، میر اللہ بخش تسنیم، عبید اللہ علیم اور ایسے ہی بہت سے نابغہ روزگار شعرا سے بنیادی تعارف الفضل کے اسی دوسرے صفحے سے حاصل ہوا۔ کسی شاعر کے تصور کے ساتھ ربوہ کے موسم گرما کی طویل دوپہر منسلک ہو کر رہ گئی، کسی کے ساتھ گرما علی الصبح کا وقت جب صحن میں بچھی چارپائیوں پر دھوپ آنے میں ابھی کچھ وقت ہوتا وابستہ ہو گیا، کسی کے ساتھ ربوہ کی موسم سرما کی نرم ملائم دھوپ کا تصور جڑ گیا اور کسی کے ساتھ ربوہ کی رات کا وہ پہر چپک کر رہ گیا جب بجلی چلے جانے کے باعث لالٹین جل رہی ہوتی۔ مگر ایک نام جس کے ساتھ ربوہ کا ہر پہر چسپاں ہو گیا اور آج تک چسپاں ہے، وہ نام تھا چوہدری محمد علی مضطرؔ۔

اب شعر کی کچھ سمجھ بوجھ حاصل ہو گئی، تو اس اجنبی کے کلام کا اور بھی لطف آنے لگا۔ کسی بھی وقت پڑھ لو، کہیں بھی پڑھ لو، کسی بھی پہر میں پڑھ لو، یہ کلام یکساں لطف دیتا اور کبھی کوئی شعر غیر ضروری نہ لگتا۔ ہر شعر اپنے اندر شعریت اور تغزل کا بھرپور جہاں لئے ہوئے ہوتا۔

ایک روز مجھے اس اجنبی شاعر نے چونکا دیا۔ ایک غزل شائع ہوئی اور ہر شعر ایسا جیسے سانس لیتا ہو۔ جیسے زندہ ہو۔ جیسے کسی نے اس میں زندگی کی روح پھونک دی ہو۔ پھر پڑھنے والے کی عمر نوجوانی کی اس منزل پر ہو جہاں تخیلات کے سائے اس کے ذہن کے قرطاس پر عجیب نقش و نگار بناتے ہوں، ایسے میں اس نوجوان کو ان اشعار نے کس طرح وارفتگی کا شکار کیا ہو گا، آپ خود ان مصرعوں اور اشعار کو پڑھ کر اندازہ کر لیں۔ آغاز ہی کیسا تخیلاتی ہے

'تان کر چہروں کی چادر دھوپ کو ٹھنڈا کیا'

اور پھر یہ کہ

کھٹکھٹانے پر بھی وا نہ دل کا دروازہ کیا
ہم نے ہر حالت میں اپنے آپ سے پردہ کیا
لوگ دیواروں کے رستے انجمن میں آ گئے
خود بھی رسوا ہو گئے اوروں کو بھی رسوا کیا

پھر اس نوجوانی کی عمر میں جہاں دین اور دنیا کے خطوط ایک دوسرے کو کاٹتے بناتے گزرتے ہوں، وہاں یہ شعر کیسا دل میں اترا ہو گا

تیری دنیا دائرہ در دائرہ در دائرہ
دائروں کے دیس میں ہم نے سفر تنہا کیا

یہ شعر اس عمر میں سمجھ میں نہ آیا مگر ایسا پسند آیا کہ دل میں گھر کر گیا کہ

رات کو شیشہ دکھا کر شہر کی تصویر لی
دور تک کھڑکی کے رستے چاند کا پیچھا کیا

اور یہ شعر تب بھی بہت بڑا شعر معلوم ہوا مگر آج تو اور بھی عظیم لگتا ہے کہ

تم تو اک پتھر گرا کر مسکرا کر چل دیئے
وقت کا ویران سینہ دیر تک گونجا کیا

جب اگلے شعر پر پہنچا تو دل اداس ہو کر رہ گیا۔ کیسی کربناک تنہائی میں لکھا گیا ہو گا یہ شعر:

آہٹیں دَرّانہ در آئیں سسکتی ہانپتی
میں نے جب ویران کمرے میں ترا چرچا کیا

اس شعر کو پڑھ کر میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ یہ آدمی، جس کا نام چوہدری محمد علی مضطرؔ ہے، اب میرے لئے اجنبی نہیں۔ میں اسے جانتا تو نہیں مگر جاننا چاہتا ضرور ہوں۔ سو میں اس آدمی کی کھوج میں نکل کھڑا ہوا۔

جیسا کہ ذکر ہوا، میں ان دنوں ربوہ میں نووارد تھا۔ ربوہ کی ہر چیز مجھے اپنی طرف کھینچتی تھی۔ اس شہر کی ہر ادا نرالی اور دلربا تھی۔ میں نے اتنی بڑی تعداد میں بزرگوں کو ایک ہی شہر میں رہتے کبھی نہ دیکھا تھا۔ کہیں حضرت مسیح موعودؑ کے پوتے ہیں، کوئی آپؑ کا نواسہ ہے، کوئی آپؑ کے خاندان کا بچہ ہے، کہیں کوئی صحابی ہے۔ کہیں نذیر احمد مبشر صاحب جیسا دعاگو انسان جو ساری عمر عجیب و غریب حالات میں افریقہ میں تبلیغ اسلام کر کے آیا ہے۔ دوست محمد شاہد نامی ایک بزرگ ہیں جو جماعت احمدیہ کی تاریخ مرتب کر رہے ہیں۔ احمد علی شاہ صاحب جیسا بزرگ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اپنی تقریر سے مسجد کے در و دیوار ہلا دیتا ہے۔ مجھے یہ سب عجیب و غریب دنیا کے باسی لگتے۔ میں اپنے والد صاحب سے ان بزرگوں کے بارہ میں پوچھتا رہتا، وہ مجھے بتاتے رہتے۔ کچھ زیادہ تعارف حاصل ہو جاتا تو انہیں ملنے چلا جاتا اور خود پر فخر کرتا کہ ایک باکمال آدمی سے ملنے کی سعادت حاصل ہو گئی۔

سو چوہدری محمد علی صاحب کے بارہ میں بھی معلوم کرنا چاہا کہ یہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ پتہ چلا کہ ربوہ ہی میں رہتے ہیں۔ کہاں رہتے ہیں؟ جواب ملا کہ دارالصدر میں جو ایک بڑی سی لال کوٹھی ہے، جو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی کوٹھی کہلاتی ہے، اس میں کہیں رہتے ہیں۔ یہ سوال میں نے گرمیوں کی ایک دوپہر میں پوچھا تھا۔ اسی وقت قصد کر لیا کہ میں ان سے ضرور ملوں گا اور آج ہی ملوں گا۔ مگر اس روز دوپہر ڈھلنے ہی میں نہ آتی تھی۔ ذرا سورج شام کی طرف چلنے لگا تو میں نے اپنا سائیکل اٹھایا اور اس کوٹھی کے گیٹ پر جا موجود ہوا۔

بڑا سا سلیٹی رنگ کا گیٹ ایسے بند تھا جیسے کبھی کھلا ہی نہ ہو۔ اس پر کچھ ایسا کنڈا وغیرہ بھی نہیں تھا جو ربوہ میں عام طور پر گھروں کے بیرونی دروازوں پر لٹکا ہوتا ہے۔ ہاتھ زور زور سے مار کر دستک دی مگر اتنی بڑی کوٹھی میں آواز کسی کو نہ گئی۔ بلکہ اس دستک کو شاید میرے علاوہ کسی نے سنا ہی نہ ہو گا۔ پھر کہیں ایسا تو نہیں کہ جس آدمی نے یہ لکھا ہے کہ کھٹکھٹانے پر بھی وا نہ دل کا دروازہ کیا، وہ اپنے گھر کا دروازہ بھی مجھ پر وا نہ کرے گا۔ لیکن میں نے بھی ضد پکڑ لی۔ گیٹ کو کھولا تو گیٹ بڑے آرام سے کھل گیا۔ سامنے کے بارآمدوں میں دھوپ میں نہائے پودے ابھی سستانے لگے ہی تھے۔ ان کے علاوہ وہاں کوئی نہ تھا۔ برآمدے میں دروازے اور کھڑکیاں مقفل تھیں اور ایسے مقفل تھیں جیسے بقول فیض کہہ رہی ہوں کہ اب یہاں کوئی نہیں کوئی نہیں آئے گا۔ میں ٹہلتا ہوا کوٹھی کے عقب میں جا نکلا۔ یہاں ایک دروازے میں کچھ زندگی کی رمق نظر آئی۔ جیسے یہاں سے کوئی آتا جاتا ہو۔ میں نے اس دروازہ پر دستک دی۔ ساتھ ہی آواز آئی ''کون؟؟'' آواز میں ایک عجیب کڑک تھی۔ مجھے لگا کہ میں نے کسی ویران کمرے میں عجیب آہٹوں کا چرچا کر دیا ہے۔ کسی کی تنہائی میں مخل ہونے کا احساس ہوا۔ کچھ یہ خوف اور کچھ یہ کہ مجھے ''چوہدری محمد علی'' کسی شاعر کا کم اور کسی وڈیرے کا نام زیادہ لگتا تھا۔ دل تو چاہا کہ بھاگ کھڑا ہوں۔ مگر عجیب بے تمیزی لگی اور یہ کہ دروازہ کھٹکھٹا کر بھاگ کھڑے ہونے والے بچوں کی تو خوب شامت بھی آیا کرتی ہے۔ پھر آواز آئی ''کون؟'' اب آواز نسبتاً زیادہ قریب تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آئی کہ کیا کہوں۔ نام بتاؤں؟ مگر انہیں میرا کیا پتہ۔ خیر ڈرتے ڈرتے جواب دیا ''چوہدری صاحب کو ملنا ہے''۔ اب جو جواب آیا وہ بہت ہی محبت میں ڈوبا ہوا تھا ''آجاؤ آجاؤ، دروازہ کھلا ای اے'' (پنجابی کی لطافت میں گندھا ہوا جملہ)۔

دروازہ کھولا تو سامنے سیڑھیاں تھیں اور اوپر ایک بزرگ آدمی ہاتھ میں کوئی کتاب اور اپنی عینک لئے، تہمد

باندھے کھڑے تھے۔ انہوں نے سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے پوچھنا شروع کر دیا کہ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ خیریت ہے؟ میں نے اپنا نام بتایا، اپنے والد صاحب کے نام سے تعارف کروایا تو یہ بزرگ قادیان کی گلیوں میں جا نکلے۔ اپنے کشادہ سینہ سے لگایا اور بتانے لگے کہ ’’آپ کے دادا جان کی تو مسجد مبارک کے بالکل ساتھ ہی دوکان ہوا کرتی تھی‘‘۔ اپنے کمرے میں لے گئے۔ بڑی محبت سے بیٹھنے کے لئے کہا۔ پھر کہا کہ وہ سامنے فریج ہے، جو جی چاہیں وہاں سے خود لے لیں، تکلف نہیں کرنا۔ مگر میں نے حکم عدولی کرتے ہوئے تکلف کیا اور کہا کہ مجھے کچھ نہیں کھانا، بس آپ سے ملنا ہی تھا۔ مگر انہوں نے خود اٹھ کر ایک سیب نکالا، اسے چھیلا اور طشتری میں رکھ کر میرے سامنے رکھ دیا۔ مجھے اس سیب سے کچھ غرض نہیں تھی۔ میں ان کے اشعار کی تعریف کرنا چاہتا تھا، مگر اس وقت کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا تعریف کروں۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ بس اتنا کہا کہ آپ کے شعر پڑھ کر بہت مزہ آتا ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ سبھی شعر بہت اچھے لگتے ہیں مگر آج آپ کے یہ شعر پڑھے ہیں۔ ہر مصرعہ دامن پکڑ لیتا ہے۔ کہنے لگے مثلاً؟ میں نے کہا مثلاً یہ کہ

آہٹیں درّانہ در آئیں سسکتی ہانپتی،
میں نے جب ویران کمرے میں ترا چرچا کیا

محترم چوہدری صاحب پر رقّت طاری ہوئی۔ ان کی ٹھوڑی کپکپانے لگی۔ میں سخت گھبرا گیا کہ میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ چوہدری صاحب ہیں ہی نہیں اور اب انہیں یہ بتانا نہیں آ رہا۔ یا انہیں یہ صدمہ پہنچا ہے کہ یہ دن بھی دیکھنا تھے کہ گلی محلہ کے لونڈے میرے شعروں پر تبصرے کرتے پھریں۔ مگر یہ رقت بہت جلد دور ہوگئی اور چوہدری صاحب بہت محبت سے گفتگو کرنے لگے۔ یہ تو بعد میں (مگر بہت جلد) معلوم ہوا کہ چوہدری صاحب نہایت رقیق القلب ہیں اور رقت کی یہ کیفیت ان پر کسی بھی وقت آسکتی ہے۔ بالکل جیسے آہٹیں چوہدری صاحب کے کمرے میں درانہ در آتی ہیں، اسی طرح یہ کیفیت بھی چوہدری صاحب کے دل پر درانہ در آتی ہے اور کسی بھی وقت آجاتی ہے۔

خیر، اس روز ملاقات بہت ہی دلچسپ رہی۔ چوہدری صاحب نے میری تعلیم کے بارہ میں پوچھا۔ ٹی آئی کالج کے نام پر پھر رقت کا غلبہ ہوا۔ فلسفہ کے مضمون کے نام پر بھی چوہدری صاحب آب دیدہ ہوگئے کہ یہ ان کا مضمون تھا۔ پھر ٹی آئی کالج کی بات ہو اور چوہدری صاحب حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا ذکر نہ کریں، یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔ اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا ذکر ہو اور چوہدری صاحب کو رقت نہ آجائے، یہ بھی ممکن نہیں تھا۔ سو اس روز میں چوہدری صاحب کے یہاں کیا گیا، بقولِ غالب، گویا دبستاں کھل گیا۔ چوہدری صاحب تو اپنی ذات میں ایک ادارہ نکلے۔ پھر چوہدری صاحب کے کمرے بلکہ پورے مکان کے در و دیوار پر تنہائی کی گھنی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ ملاقاتیں بڑھیں تو معلوم ہوا کہ جیسے گھر کی بیرونی دیواروں پر چڑھی ہوئی بیل بعض اوقات کسی درز سے گھر کے اندر بھی آنکلتی ہے، اسی طرح کمرے اور گھر کے در و دیوار پر لپٹی یہ بیل چوہدری صاحب کے اندر سرایت کر چکی تھی اور اندر بھی اتنی ہی گھنی تھی۔ کمرہ میں چوہدری صاحب تھے، کتابیں تھیں، ایک چھوٹا سا ٹی وی تھا، چھوٹا سا فریج تھا۔ ان چیزوں کے علاوہ جس چیز نے اس کمرے میں سب سے زیادہ جگہ گھیر رکھی تھی، وہ وہ تنہائی تھی جو کمرہ میں بال کھولے پڑی تھی اور بَین کرتی تھی۔

اُس روز کے بعد سے چوہدری صاحب میرے لئے اجنبی نہ رہے۔ کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے پہلی ملاقات تمام اجنبیت کے احساس کو مٹا دیتی اور اُنس کو جنم دے دیتی ہے۔ آپ نہ صرف دیر تک ایسے آدمی کے پاس بیٹھے رہنا چاہتے ہیں بلکہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ آپ انہیں بہت دیر سے جانتے ہیں۔ اس پہلی ملاقات کے بعد چوہدری صاحب میرے ذہن میں اکیلے نقش نہیں ہوئے، بلکہ ان کے ساتھ ان کی تنہائی بھی نقش ہو کر رہ گئی۔ آج بھی، یعنی ستائیس برس کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی چوہدری صاحب میرے ذہن میں ایک دوئی کے طور پر نقش ہیں۔

اس ایک ملاقات کے بعد مجھے چوہدری صاحب کے مجموعہ کلام کی جستجو ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اس درویش کا کوئی مجموعہ نہیں۔ جو لکھا ہے وہ جہاں تہاں بکھرا پڑا ہے۔ مگر کالج کے اوقات کے بعد (بلکہ کالج کے اوقات کے دوران بھی) خلافت لائبریری جا نکلنا میرا پسندیدہ مشغلہ تو تھا ہی۔ سو ایسے اوقات میں پرانے الفضل وغیرہ سے چوہدری صاحب کے کلام کو تلاش کیا کرتا اور پڑھا کرتا۔ میں چاہوں تو بھی محترم سلطان صاحب، محترم حبیب الرحمن زیروی صاحب اور برادرم محترم صادق صاحب کے اس احسان کو نہیں بھلا سکتا کہ انہوں نے مجھے میری اس غیر ذمہ دارانہ عمر میں بھی لائبریری کے تمام گوشوں میں رسائی دے رکھی تھی۔ سو چوہدری صاحب کا کلام الفضل کے کئی سالوں پر بکھرے اوراق پر یہاں وہاں ملتا رہا۔ یوں اس عظیم شاعر سے واقفیت بڑھتی گئی۔ اگرچہ یہ بزرگ شخص مجھے ہمیشہ مل بھی لیتا تھا، مگر اصل تعارف کا ذریعہ یہ شاعری ہی بنی۔

انہی دنوں میں ان کے نظم ’’تنہائی‘‘ نظر سے گزری۔ یہ نظم مجھے اس لال کوٹھی کے سنسان ویران برآمدوں اور غلام گردشوں میں لے گئی جہاں چوہدری صاحب فروکش تھے۔ مجھے وہ پہلی ملاقات کی رو پہلی شام یاد آگئی۔ اس روز اگرچہ چوہدری صاحب نے کوئی کلام تو نہیں سنایا تھا، مگر زبان حال سے یہی نظم تھی جسے چوہدری صاحب جی رہے تھے۔ اُس دن ان کی آنکھوں میں یونہی تو لگا تھا کہ جیسے

تنہائی میں جل اٹھے ہیں یادوں کے فانوس

اور جب آپ ٹی آئی کالج کے برآمدوں اور راہداریوں کا ذکر کر رہے تھے تو آپ نے یہی تو کیا تھا کہ

حال کے گلشن میں لا رکھا ماضی کا تابوت

اور جب آپ اپنے قبول احمدیت کا احوال اور حضرت مصلح موعودؓ کا ذکر کر رہے تھے تو یہی کیفیت تو تھی کہ گویا

وقت کا سینا کھود رہے ہیں لمحوں کے مزدور

اور پھر یہ بھی تو ہوا تھا کہ آپ بولتے جاتے اور میرے دل میں آپ کی توقیر بڑھتی جاتی۔ توقیر اور محبت بڑھتے بڑھتے وہ وقت بھی تو اسی ملاقات میں آیا تھا کہ میرے اندر سے آواز آئی تھی کہ

لفظوں کے درویش کھڑے ہیں، اٹھ عزت سے مِل

مجھے آپ کی رقت کو دیکھ کر یوں بھی لگا تھا کہ جیسے:

دشت کے سینے میں برپا ہے تنہائی کا شور

اور جب میں باہر نکل رہا تھا تو یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں میں نے اس ٹھہرے ہوئے پانی میں یادوں کا طوفان برپا کر کے اس معصوم روح پر کوئی ظلم تو نہیں کر دیا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس ملاقات میں

وقت کی نیلی جھیل میں اُٹّھا لمحوں کا طوفان

انسانوں سے آن ملے ’’ہیں‘‘ پھر واپس انسان

صحرا کے سینے میں جاگے آس کے نخلستان

دشت میں آندھی آئی، تنہائی، تنہائی

یہ ملاقات جب اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی تو عجیب حالت تھی۔ مجھے تو گویا تاریخ کی ایک کتاب مل گئی۔ احمدیہ دبستانِ شاعری کا نصاب مل گیا تھا۔ چوہدری صاحب پر کئی بار رقت آئی اور چلی جاتی رہی۔ اور پھر یوں ہوا کہ

خموش بیٹھے ہیں دونوں اجاڑ کمرے میں

نہ میزبان نہ کچھ میہمان بولتا ہے

میں نے اجازت چاہی اور دوبارہ حاضر ہونے کی اجازت لے کر اس تنہائی زدہ کمرہ سے نکل آیا۔

ایک روز کالج کے لئے نکلنے لگا تو دیکھا الفضل میں چوہدری صاحب کی غزل چھپی ہے۔ پہلے نہ پڑھی تھی۔ الفضل ساتھ کالج لے گیا۔ کالج میں وقفہ کے دوران کینٹین پر بیٹھ کر الفضل کھولا اور یہ غزل پڑھنے لگا۔ ہر شعر لطف دیتا رہا، مگر ایک شعر نے یوں چونکا دیا جیسے اچانک آپ کی آنکھوں کے سامنے حادثہ ہو جائے۔ شعر تھا کہ

حادثہ ہو جائے شہرِ ذات میں
اس ٹریفک میں ٹھہر جاؤں اگر

شعر نہ صرف بہت گہرا، بہت خوبصورت تھا بلکہ معنی کے انوکھے جہان لئے ہوئے تھا۔ پھر ایک اور بات جس نے لطف دیا وہ یہ تھی کہ اس میں اردو زبان کی کم مائیگی کی طرف بھی اشارہ تھا۔ انگریزی میں تو ہر سال ایک ضخیم لغت شائع ہوتی ہے جس میں صرف وہ الفاظ شامل ہوتے ہیں جو اس سال کے دوران انگریزی کے دامن میں سمٹ آئے اور اس زبان کا حصہ بن گئے۔ اردو زبان کو ایسے محسن کم کم میسر آئے جو اس کی نشوونما کی فکر کرتے۔ یہ زبان آج زندہ ہے تو صرف اس لئے کہ اس زبان میں مسیح پاکؑ نے بہت کچھ تحریر فرما دیا۔ ورنہ اس کے زندہ رہنے کے سب ذرائع خود اس زبان سے محبت کے دعویداروں نے مسدود کر دیئے ہیں۔ ٹریفک کے لفظ کا واقعی اردو میں کوئی مترادف نہیں۔ اور ایسا عظیم حادثہ بے ہنگم ٹریفک ہی میں ہو سکتا تھا، سو چوہدری صاحب نے کر دکھایا۔ اس شعر سے چوہدری صاحب کا ایک اور شعر یاد آگیا:

میری قسمت کی لکیریں دیکھ کر کہنے لگا
یہ لکیریں مل گئیں تو حادثہ ہو جائے گا

یہ آدمی کیسے حادثوں میں سے گزرا ہوگا کہ ہر موڑ ہر چوک پر اسے حادثوں کے اندیشے گھیر لیتے ہیں۔ مجھے بڑا تجسس ہوا کہ کبھی ان حوادث کا ذکر چوہدری صاحب خود ہی کر دیں۔ ان حوادث کا ذکر چوہدری صاحب نے متعدد ملاقاتوں میں گاہے گاہے کیا۔ کبھی ایک حادثہ، کبھی دوسرا، کبھی تیسرا بیان کرتے۔ مگر یہ حادثے کیا تھے۔ یہ سب آپ کے محبوبوں کے بچھڑ جانے کے واقعات تھے۔

لڑکپن کا زمانہ تھا تو آپ کے بھائی کی جو آپ سے کچھ ہی چھوٹے تھے اور آپ سے بہت قریب تھے، ناگہانی طور پر وفات ہوگئی۔ چوہدری صاحب بتایا کرتے کہ اس صدمہ سے نکلتے نکلتے انہیں کئی ماہ لگ گئے۔ نہ سکول جانے کی ہوش، نہ کھانے پینے کی تمنا۔ یہ بھائی گویا آپ کا ہمزاد تھا۔ انہوں نے زندگی کو اپنے اس پیارے بھائی کے بغیر کبھی تصور نہ کیا تھا۔ مگر جب دنیا اس کے بغیر آپ کے سامنے منہ کھولے کھڑی ہوگئی تو آپ کو اس سنگلاخ راستہ پر خود ہی قدم اٹھانا پڑا۔ زندگی کے تپتے صحراؤں میں چلتے ہوئے انسان کو جہاں دور کہیں رفاقت کے نخلستان نظر آتے ہیں، چوہدری صاحب کو ہمیشہ ان کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ محض سراب تھے۔ اور ایسا ایک سے زائد مرتبہ ہوا۔ جس رفاقت کے سہارے انسان اپنی ذاتی زندگی کے روز و شب کو سہل بناتا ہے، وہ چوہدری صاحب کو کبھی میسر نہ آسکی۔ چوہدری صاحب کا کمرہ ٹی آئی کالج کے احاطہ میں ہو، ہاسٹل سے متصل ہو، یا جماعت کے کسی کوارٹر میں، یا بعد میں سر ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی میں، اس کمرہ میں آپ کو صرف تنہائی کی رفاقت نصیب ہوسکی۔

اٹھتے اٹھتے نقاب چہروں کے
ڈھل گئے آفتاب چہروں کے

بہت سی طویل ملاقاتوں میں بھی چوہدری صاحب اس ویران کنویں کے پاس سے گزارتے مگر کبھی آگے بڑھ کر نہ خود اس میں جھانکتے، نہ جھانکنے دیتے۔ ایسے مقامات پر چوہدری صاحب کی رقت ایک دیوار کا کام کرتی اور چوہدری صاحب تنہائی کے اس نگر کے پاس سے تیزی سے خود بھی گزر جاتے اور دوسرے کو بھی گزار دیتے۔ بقول فراز

کر گیا میرے تیرے قصہ میں
داستاں گو یہاں وہاں سے گریز

سو یہ جو شعر تھا کہ حادثہ ہو جائے شہر ذات میں، اس ٹریفک میں ٹھہر جاؤں اگر، تو چوہدری صاحب کو اس ٹریفک سے عملاً بچتے ہوئے بھی دیکھا۔

پھر ایک روز آپ احمدیت میں داخل ہوگئے۔ بلکہ سچ پوچھیں تو ایک روز احمدیت ان کے دل میں داخل ہو گئی۔ انہیں حضرت مصلح موعودؓ جیسے محسن اور شفیق محبوب کی محبت نصیب ہوئی۔ یہ محبت عشق کی حدوں میں جا نکلی اور چوہدری صاحب کے دل کی ویران سرائے میں ایک دیا روشن ہوگیا۔

ایک روز الفضل میں چوہدری صاحب کی ایک غزل چھپی۔ میں گرمیوں کی صبح میں اپنے گھر کے دالان میں بچھی چارپائی پر بیٹھا یہ غزل پڑھ رہا تھا کہ میرے والد صاحب نے کہا کہ ’’تم چوہدری صاحب کو ملتے رہتے ہو۔ کبھی ان سے پوچھنا کہ ان کے اس شعر کا کیا مطلب ہوا جو اس غزل میں شامل ہے


Morden Motor(UK)
Specialists in
Electrical & Mechanical
Repairs & Diagnostics, Servicing, Tyres, Exhausts, Engines, Gear Box, Breaks, MOT Failure work, A-C
All Makes & Models
Rear 22-26 Morden Hall Road, Unit 2 Morden SM4 5JF
Contact: Nusrat Rai@ 07809119621
E: mordenmotor@yahoo.com



قائم شدہ 1952ء
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
خالص سونے کے اعلیٰ زیورات کا مرکز
شریف جیولرز
میاں حنیف احمد کامران
ربوہ 0092 47 6212515
28 لندن روڈ، مورڈن SM4 5BQ
0044 203 609 4712
0044 740 592 9636

خدا نے عقل بھی دی ہے، اسے ارادہ بھی
جو میری مانے ، کسی سے بھی مشورہ نہ کرے

کیونکہ ایک طرف تو کہہ رہے ہیں کہ کسی کا مشورہ نہ مانے، اور پھر مشورہ دے بھی رہے ہیں۔ مَیں چوہدری صاحب سے جب ملا تو پوچھ ہی لیا۔ کہنے لگے کہ ’’بھئی! Poetic license بھی تو ہوتا ہے۔ شاعر استعمال نہ کرے تو کون کرے؟‘‘۔ یہ اصطلاح میرے لئے نئی تھی۔ چوہدری صاحب کے کلام کا مطالعہ بڑھا تو معلوم ہوا کہ چوہدری صاحب اس لائسنس کا استعمال بے دریغ فرماتے ہیں۔ محبوب سے محبت کا اظہار کرنا ہو، دشمن کو منہ توڑ جواب دینا ہو، یا حسبِ ضرورت کہیں یونہی چٹکی ہی بھرنی ہو، یہ لائسنس محترم چوہدری صاحب دل کھول کر استعمال کرتے۔ اس لائسنس کے استعمال کے نمونے کچھ تو اس مضمون میں آجائیں گے، کچھ آپ خود چوہدری صاحب کے کلام میں سے تلاش کریں تو زیادہ لطف حاصل کرسکتے ہیں۔

چوہدری صاحب بیک وقت کئی محبتوں میں گرفتار تھے۔ وہ جو شاعر نے کہا کہ

ہم نے جس جس کو بھی چاہا ترے ہجراں میں وہ لوگ
آتے جاتے ہوئے موسم تھے زمانہ تُو تھا

تو چوہدری صاحب بھی حضرت مسیح موعودؑ کی محبت میں بے تحاشہ گرفتار تھے۔ باقی محبتیں اسی ایک سرچشمہ سے پھوٹی تھیں۔ مجھے یہ دعویٰ کرنے میں ذرہ بھی تامل نہیں کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ، پھر اس دعویٰ کے زمانہ، اس دعوے کی نوعیت، آپؑ کے مقام اور منصب، اور اس دعویٰ سے برپا ہونے والے انقلاب، سب کو کسی نے صرف ایک شعر میں بیان کیا ہے تو وہ چوہدری صاحب کے علاوہ اور کوئی نہیں

اُترا تھا چاند شہرِ دل وجاں میں ایک بار
اب تک ہیں آنگنوں میں اُجالے پڑے ہوئے

سبحان اللہ! یعنی رات کا وقت تھا، تبھی تو چاند نکلا تھا۔ اور چاند خود روشنی نہیں دیتا بلکہ سورج سے لی ہوئی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔ پھر یہ کہ ایسا اُمّتی نبی تو ایک بار ہی آنا تھا۔ اور پھر یہ کہ جس جس آنگن میں اس کی روشنی اتری تھی، وہ آج بھی منور ہیں۔ تغزل، شعریت، تلمیح، استعارہ، تشبیہ۔ یہ شعر اپنے اندر فنِ شعر گوئی کے سبھی محاسن لئے ہوئے ہے۔

غرض، حضرت مسیح موعودؑ اس لشکرِ محبوبیت میں پیش امام تھے، پھر صفِ اول میں تمام خلفاء تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ پیش امام کے پیچھے مگر پہلی صف سے آگے کھڑے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ پہلی صف کے ساتھ ساتھ دیگر تمام صفوں میں بھی نظر آتے تھے کہ چوہدری صاحب نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ حضرت مرزا ناصر احمدؒ کے ساتھ کئی حیثیتوں میں بھی گزار کر پھر انہیں خلیفۃ المسیح کی حیثیت میں قبول کیا تھا۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے بابرکت دور کا ذکر ہے۔ محبوبوں کی ان صفوں میں خلیفۃ المسیح الرابع کی جگہ تو تھی، مگر ہجرت کر کے بہت دور جا کر آباد ہو گئے تھے۔

یہ ہجر کا دکھ چوہدری صاحب کی ہڈیوں تک میں اتر چکا تھا

لے گیا اپنے ہمراہ سب رونقیں
وہ جو تھا اک حسیں نوجواں شہر میں

چوہدری صاحب کی محبتوں کا تذکرہ چل رہا ہے تو ان کی ایک اور محبت کا مشاہدہ کرنے کا مجھے موقع ملا۔ میں کبھی کبھی چوہدری صاحب کے دفتر واقع بیت الاظہار میں حاضر ہو جایا کرتا تھا۔ چوہدری صاحب ہمیشہ شفقت کا سلوک فرماتے اور پاس بٹھا لیا کرتے۔ اسی طرح ایک روز چوہدری صاحب کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ کے دفتر میں حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) تشریف لائے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب ان دنوں ناظر تعلیم تھے۔ چوہدری صاحب دفعتاً اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور چہرہ پر ایک عجیب محبت کا رنگ نظر آنے لگا۔ آنکھوں کی رکھوالی کرتی سیاہ عینک کے پیچھے چھپی آنکھیں تو نظر نہ آئیں مگر آنکھوں کے گردونواح محبت کے اس نور سے منور ہو گئے جو آپ کی آنکھوں میں پھیل گیا تھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب سے ملنے کا اتفاق اس سے پہلے ہو چکا تھا، مگر بہت کم۔ وہی جو محبت تمام خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ کے لئے ربوہ کے اس نووارد کے دل میں تھی، وہ حضرت مسیح موعودؑ کے اس فرزندِ جلیل کے پاس بھی لے گئی تھی۔ اس وقت تک صاحبزادہ صاحب کا تاثر صرف اس قدر تھا کہ بہت کم گو مگر نہایت خوش مزاج ہیں۔ سچ پوچھیں تو میں جتنے بزرگوں سے ملنے کے لئے حاضر ہوتا، وہ سب بہت محبت سے ملتے تھے مگر صاحبزادہ صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے میری کم عمری کے باوجود جس طرح رک کر مجھ سے بات کی تھی، میری بات سنی تھی، اس توجہ کا دل پر گہرا نقش تھا۔ مگر بات اس سے آگے نہ بڑھی تھی۔ مگر اب جو چوہدری صاحب کو اس محبت بلکہ عقیدت سے آپ کو ملتے ہوئے دیکھا تو دل پر گہرا اثر ہوا۔ دل میں خیال آیا کہ پوچھوں کہ کیا حضرت صاحبزادہ صاحب سے آپ کا کوئی خاص تعلق ہے؟ مگر چوہدری صاحب کی بزرگی اور میری کم عمری ہمیشہ یوں براہِ راست سوالات پوچھنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی رہی۔ ایسی بات ہمیشہ کسی بہانے سے پوچھنی پڑتی۔ سو میں نے پوچھا کہ چوہدری صاحب، یہ صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ہیں نا؟ جواب میں چوہدری صاحب نے حسبِ عادت ایک کتاب کھول لی اور صاحبزادہ صاحب کا تفصیلی تعارف کروایا۔ یہ بھی بتایا کہ جب حضرت صاحبزادہ صاحب تعلیم الاسلام کالج میں زیرِ تعلیم تھے تو کچھ عرصہ چوہدری صاحب کو انہیں پڑھانے کا موقع بھی ملا۔ مگر اس جملہ میں جو احتیاط تھی، وہ چوہدری صاحب کے ادیب ہونے کی گواہی دیتی ہے۔ ادیب بھی وہ جو حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کے بچے بچے سے محبت میں مبتلا ہے۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں ان کا استاد تھا، یا یہ کہ یہ میرے شاگرد تھے۔ اس بارہ میں صرف ایک جملہ کہا اور وہ یہ کہ کچھ دیر مجھے بھی ان کی کلاس کو پڑھانے کا موقع ملا۔ میرے لئے یہ بات اور بھی متاثر کرنے والی تھی۔ اگرچہ حضرت صاحبزادہ صاحب بھی محترم چوہدری صاحب سے بہت محبت اور عزت سے ملے تھے، مگر چوہدری صاحب کے انداز میں بھی ایک عجیب احترام کا رنگ نمایاں تھا۔ ایسے جیسے کسی زمانہ میں خود صاحبزادہ صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے رہے ہوں۔ یہ شعر تو بعد میں پڑھا کہ

شرم سی کچھ ، حجاب سا کچھ ہے
قرب بھی بے حساب سا کچھ ہے

مگر اس کا عملی رنگ اس روز نظر آیا۔ چوہدری صاحب کے دل میں یوں تو خاندانِ مسیح موعودؑ کے چھوٹے بڑے ہر فرد کی محبت ٹھاٹھیں مارتی رہتی تھی، مگر اس ملاقات کا عجیب رنگ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ محترم چوہدری صاحب کو اس قیمتی ہیرے کی وہ جہات بھی نظر آتی تھیں جو تب تک عام آنکھ نے نہ دیکھی تھیں۔ اور پھر جب حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) خلافت کے مرتبہ جلیلہ پر متمکن ہوئے تو چوہدری صاحب نے اپنی اس جوہر شناسی کا یوں اظہار بھی کر دیا کہ

جس حُسن کی تم کو جستجو ہے
وہ حسن، ازل سے باوضو ہے

اور چوہدری صاحب جس طرح آپ سے ملے تھے، اس کا عملی رنگ تو اس روز دیکھ ہی لیا تھا، مگر اس عقیدت اور احترام کے پیچھے کارفرما راز جب خدا نے دنیا پر افشا کر دیا تو آپ نے اسے یوں کہہ بھی دیا کہ

خاموش! مقام ہے ادب کا
آقا مرا محوِ گفتگو ہے

کوئی اور استاد ہوتا تو اپنے عالی مرتبت شاگرد کے ذکر پر اپنے تعلق کا نہایت بھونڈا اظہار بھی کرسکتا تھا، یہ کہہ کر کہ میں ان کا استاد ہوں، یا یہ کہ یہ میرے شاگرد رہے ہیں۔ مگر چوہدری صاحب اپنے قد کو اس طرح اونچا کرنے کے قائل نہ تھے۔ چوہدری صاحب کے سامنے تو بلکہ اگر کوئی کہہ دیتا کہ آپ حضرت خلیفہ رابعؒ کے استاد رہے ہیں تو چوہدری صاحب محاورۃً نہیں حقیقۃً دست بستہ ہو جاتے۔ رقت طاری ہو جاتی، کبھی دونوں ہاتھ جوڑتے، کبھی کانوں کو ہاتھ لگاتے۔ یہ چوہدری صاحب کی عقیدت تھی جو شریعت سے اچھل کر طریقت کی وادیوں میں انہیں لے جایا کرتی۔

محبت کے اظہار میں چوہدری صاحب کے رنگ ایسے ہی تھے۔ بے تحاشگی اور وارفتگی اس اظہار کے نمایاں رنگ تھے۔ بزرگانِ سلسلہ سے محبت کا اظہار اگرچہ اپنا الگ رنگ ہی رکھتا تھا، مگر عام آدمی سے بھی اظہارِ محبت بے تحاشا کرتے اور کھل کر کے کرتے۔ عام آدمی ہر خلافِ معمول بات کو سمجھ نہ پائیں تو اس کا استہزا کر کے اپنی کم فہمی پر پردہ ڈالتے ہیں۔ چوہدری صاحب کا اظہارِ محبت بھی معمول، اور یوں عام عقل سے، بالاتر تھا۔ مگر اس محبت کا خمیر جماعت احمدیہ کی محبت ہی سے اٹھا تھا۔ نوجوانوں میں انہیں جماعت احمدیہ کا آنے والا کل نظر آتا۔ وہ جانتے تھے کہ چمن میں آئے گی فصلِ بہاراں، ہم نہیں ہوں گے۔ مگر تب یہ نوجوان تو ہوں گے۔ سو نوجوان نسل سے محبت اور قرب کا اظہار دراصل ان نوجوانوں کی آنکھوں سے جماعت احمدیہ کے تابناک مستقبل کو دیکھنے کی ایک آرزو ہی تھی۔ محبوبوں کی اس جماعت میں رہنا چوہدری صاحب کا محبوب مشغلہ تھا۔ بقول عبیداللہ علیم صاحب

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

سو چوہدری صاحب بھی اُس دنیا میں رہنا پسند کرتے تھے۔ جو اُن کے ساتھ محبت کے اس خواب نگر میں رہنا پسند کرتا، چوہدری صاحب اس سے بھی محبت کرنے لگتے

کیسے کیسے خوبرویوں سے ملاقاتیں رہیں
آنکھ کُھل جاتی تو ان چہروں کو کیونکر دیکھتے

اور پھر آپ کی صحبت سے فیضیابی میں ایک بڑا فیض یہ بھی تھا کہ انسان خود بھی چوہدری صاحب کے محبوبوں کے اس لشکر کی محبت میں مبتلا ہو جاتا، اور یہ مشاہدہ تجربہ کی سطح تک آجاتا

تجربہ تم کو بھی ہو جاتا عذابِ دید کا
تم اگر ان فاصلوں کو اپنے اندر دیکھتے
ہر کوئی اپنا نظر آتا تمہیں بھی عشق میں
اُٹھ کے سینے سے لگاتے جس کو مضطر دیکھتے

اور پھر یہ محبت چوہدری صاحب سے محبت کا باعث بن جاتی

محبت ہو گئی ہے تجھ سے مضطرؔ
تو کس محبوب کا نوکر رہا ہے

یہ تو چوہدری صاحب کے دن کا احوال تھا۔ راتوں کا احوال تو یا وہ خود جانتے تھے یا ان کا خدا۔ مگر یہ رنگ آپ کے اشعار میں در آتا۔ مگر یہ احوال بھی خال خال ہی کسی کو نظر آیا۔ چوہدری صاحب نے اپنے دن پر بھی چہروں کی چادر تان رکھی تھی۔ جو پاس بیٹھتا، اسے چوہدری صاحب کے محبوبوں کے چہرے ہی نظر آتے۔ لوگ چوہدری صاحب کے بعض اشعار کو مزاحیہ شعر خیال کر بیٹھتے، جب کہ ان میں بھی ایک درد چھپا ہوتا۔ مثلاً ایک شعر جس کو لوگ بڑے وثوق سے مزاحیہ شعر خیال کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ

اَکھّاں دی رکھوالی رکھ
پاویں عینک کالی رکھ

چونکہ چوہدری صاحب کی آنکھیں روشنی سے حساس تھیں، لہٰذا آپ مستقل کالی عینک پہنے رہتے۔ یہاں تک کہ رات کی مجالس میں بھی آپ کالی عینک میں دیکھے جاتے۔ اسی کالی عینک کی مجبوری (اور شاید عادت بھی) کے باعث لوگوں نے اس گہرے شعر کو محض مزاحیہ خیال کر لیا، ورنہ خیال کی سطح پر یہ شعر بہت اونچا ہے۔ اسی طرح وہ جو چوہدری صاحب نے لکھا کہ

اوڑھ کر چہروں کی چادر دھوپ کو ٹھنڈا کیا

اس سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ چوہدری صاحب خود ایک سے زیادہ چہرے اوڑھ کر اپنا کام نکالا کرتے۔ بلکہ میں نے تو اس شعر کو یوں سمجھا کہ آپ ان چہروں کے ہجوم میں کھو کر اپنے دکھوں اور غموں سے بے نیاز ہو جایا کرتے جو اس ہجوم میں نظر آنے والے چہرے تھے۔ اس ہجوم میں آپ کے محبوب جابجا کھڑے تھے۔ خیر، عرض یہ کررہا تھا کہ چوہدری صاحب نے اپنے دن اور دل کے احوال سے کم ہی کسی کو خبر دی۔ کچھ تو آپ خود بھی کوشش کرتے کہ آپ سے ملنے والے اس دشت کی سیاحی کی فرمائش نہ ہی کریں، اور کچھ آپ سے ملنے والے اور آپ کو جاننے والے بھی جانتے تھے کہ چوہدری صاحب اپنی تمام تر شفقتوں کے باوجود برہم بھی بڑے زور سے ہوتے۔ پھر ’’چوہدری‘‘ صاحب کی آواز کی کڑک انسان کو ہلا کر رکھ دیتی۔ سو آپ کی دائرہ در دائرہ در دائرہ دنیا میں سفر کرنے کے متمنی بعض دائروں سے دور رہنے ہی میں عافیت جانتے۔ مگر اس برہمی کا بھی عجیب رنگ ہوتا کہ اس میں بھی چوہدری صاحب کی بزرگانہ شان نظر آتی۔ جس سے برہم ہوتے وہ تو کڑک دار آواز سن کر اپنی راہ لیتا، مگر جو بعد میں بیٹھے رہ جاتے وہ چوہدری صاحب کو ٹوٹتے بکھرتے اور کرب میں مبتلا ہوتے دیکھتے۔ جس سے ناراض ہوتے اس کی محبت چوہدری صاحب کے بہت بڑے دل کی کسی درز سے رسنے لگتی اور برہمی کو دھو ڈالتی۔ اور وہ جو چوہدری صاحب کی ڈانٹ فصیح وبلیغ انگریزی میں سن کر گیا ہوتا، اسے بھی دور رہ کر کہاں چین آتا۔ وہ خود بھی جلد واپس آنکلتا، ورنہ چوہدری صاحب اسے خود بلا بھیجتے۔ پھر اسے ساتھ لگاتے، رقت کا غلبہ ہو جاتا، کسی ماں کی طرح اسے خوب چمکارتے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ شخص چوہدری صاحب کی انگلی تھامے ٹی آئی کالج کی راہداریوں یا وادئ نیلم کے سبزہ زاروں یا باسکٹ بال کے کورٹ میں کھڑا جماعت احمدیہ کی تاریخ کو چوہدری صاحب کی آنکھوں بلکہ عینک سے دیکھ رہا ہوتا۔

بہرحال، بات چل رہی تھی چوہدری صاحب سے کُھل کر ملنے اور ان کے روز وشب کا احوال جاننے کی۔ اس

بات کو آپ ہی کے ایک شعر پر ختم کرتا ہوں:

میں اپنے آپ سے بھی کُھل کے مل نہیں سکتا
اگرچہ اِس کا کیا بارہا ارادہ بھی

بعض باتوں کا وہ اکثر کہتے کہ کبھی پھر بتاؤں گا۔ یہ شاید چوہدری صاحب کا حُسنِ گریز تھا:

وہ دل کی بات تھی، کُھل کر زباں پر آ نہ سکی
اگرچہ اس نے کیا بار بار وعدہ بھی

بات چل رہی تھی رات کے پوشیدہ احوال کی جو شعروں میں ڈھل کر سامنے آ گیا ورنہ پوچھنے کی ہمت بھلا کون کرتا۔

جاگ اے شرمسار! آدھی رات
اپنی بگڑی سنوار آدھی رات
رات کو شیشا دکھا کر شہر کی تصویر لی
دور تک کھڑکی کے رستہ، چاند کا پیچھا کیا
آدھی رات کے آنسو ڈھل
ڈھل! میری تقدیر بدل
شب ہائے بے چراغ کی کوئی سحر بھی ہو
اے لمحۂ فراق ، کبھی مختصر بھی ہو
راتوں کو اٹھ کے آنکھ کا آبِ حیات پی
ان خشک سالیوں میں سرِ پُل سراط پی
زہرِ غم حیات بھی پینے کی چیز ہے
اس کو بھی آزما، اسے بھی آج رات پی

پس، راتوں کو اکیلے ہوتے تو شاید اپنے ہی شعر پر عمل کرتے ہوں گے کہ

تم اپنے آپ سے ملتے اگر اکیلے تھے
کڑا تھا وقت تو ہنس کر گزار دینا تھا

پھر اپنے رب کے سامنے شرمساری کا نیم شبی اظہار اور اپنے آپ سے ملنے کی آنکھ مچولی میں نیند آجایا کرتی ہوگی

رات غم کی داستاں ، ہم بھی نہ مضطر سُن سکے
بات لمبی ہو رہی تھی، نیند نے غلبہ کیا

تو بات یہ تھی کہ آپ کے دل کے ہر گوشے تک ہر کسی کو رسائی نہیں تھی، بلکہ خود چوہدری صاحب بھی بعض گوشوں تک نہ جاتے ہوں گے۔ شاید اسی خیال سے کہ کہیں جائے حادثہ پر جا کر ( بلکہ جائے وقوعہ پر ) دوبارہ حادثہ ہی نہ پیش آجائے۔

لکھنے بیٹھا ہوں تو چوہدری صاحب کی محبتوں کے کیا کیا رنگ ہیں جو یاد آتے جا رہے ہیں۔ مگر سب تو نہیں لکھے جاسکتے، ایک تو اس لئے کہ مضمون طویل ہوتا جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ اگر چوہدری صاحب زندہ ہوتے تو بعض گوشوں پر قلم اٹھانے پر مجھ سے ( ایک دفعہ پھر ) برہم ہو جاتے۔ ایک دفعہ پھر اس لئے کہ میں نے بھی چوہدری صاحب کی برہمی کا رنگ قریب سے دیکھا۔

ایک بار کچھ احباب نے ربوہ کے ڈگری کالج کے باغات میں چوہدری صاحب کے ساتھ ایک شام منانے کا پروگرام بنایا۔ تیاری مکمل ہوگئی تو چوہدری صاحب کو لینے کوئی صاحب اپنی کار پر گئے۔ جلد واپس آ کر انہوں نے بتایا کہ چوہدری صاحب تو کسی طور آنے کو تیار نہیں۔ سخت برہم بھی ہیں۔ دوست احباب نے مجھے کہا کہ جا کر منانے کی کوشش کروں۔ میں نے اپنی پرانی سی سائیکل پکڑی اور چوہدری صاحب کو منانے ان کی کوٹھی پہنچ گیا۔ ان دنوں چوہدری صاحب اوپر والے کمرے کو چھوڑ کر اسی کوٹھی کے نچلی منزل کے ایک کمرے میں سکونت اختیار کر چکے تھے۔

نہیں اتنی ہمت کہ در کھٹکھٹاؤں
اگرچہ درِ یار تک آ گیا ہوں

مگر ہمت تو کرنا ہی پڑتی ہے۔ میں نے دروازہ پر دستک دی۔ اللہ جانے کس کیفیت میں بھرے بیٹھے تھے۔ کڑک دار آواز آئی ”کون؟؟؟“۔ میں نے جب جواب دیا تو اور بھی کڑک دار آواز اور اس سے بھی کڑک پنجابی میں فرمایا کہ ”میں کہہ دِتّا اے کہ مَیں نئیں آنا۔ سمجھ نئیں آندی؟؟“۔ بحث کرنے کا تو یارا تھا نہیں۔ اچھے بچوں کی طرح ”جی اچھا“ کہہ کر پلٹا اور ابھی گیٹ کے قریب پہنچا تھا کہ پیچھے سے چوہدری صاحب نے اپنی کھڑکی سے زور سے آواز دی۔ ”ٹھہر جاؤ!! میں آ ریا واں“۔ سو اس روز خاکسار کو جماعت احمدیہ اور اردو زبان کے دبستانِ شاعری کے اس عظیم شاعر کو اپنے پرانے سائیکل پر، ( انہی کے جتنی وزنی، یعنی خاصی وزنی، بیاض سمیت ) ڈگری کالج تک لانے کا موقع ملا۔

چوہدری صاحب کی رگوں میں لہو کی بجائے کئی جذبوں کے کئی رنگوں کی قوسِ قزح دوڑتی تھی۔ مگر جو جذبہ سب جذبات کا سردار تھا، وہ اس ہجر کے درد کا جذبہ تھا جو حضرت خلیفۃ المسیح کے ہجرت کر جانے کے باعث نہ صرف آپ کے اندر اُگ آیا تھا بلکہ ایک ایسا تناور درخت بن گیا تھا جسے گھر میں بڑے شوق سے بویا جاتا ہے، مگر پھر پھلنے پھولنے پر اس کی جڑیں خود اپنے ہی گھر کے در و دیوار اور بنیادوں کو ہلانے لگتی ہیں۔

1984ء کی ہجرت نے جماعت احمدیہ کی دنیائے شعر و سخن کو ایک الگ رنگ دے دیا۔ ہر شعر ہر مصرع ہجرت کے درد میں کلبلاتا اور سسکتا ہوا۔ ہر دوسرا آدمی شاعر بھی بن گیا۔ اس ہجرت پر کیا کچھ نہیں لکھا گیا، مگر چوہدری صاحب نے اس ہجرت اور اس ہجر میں جو کچھ لکھا، وہ دنیائے ادب کے شہ پارے ہیں۔ ہجر کا مضمون اور اپنے فنا ہو جانے کا مضمون اس سے بہتر کیا کوئی باندھے گا۔

وہ سورج ہے نکلا ہے مغرب میں جا کر
میں سایہ ہوں دیوار تک آ گیا ہوں

پھر اپنے آپ کو تسلی بھی آپ ہی دے لیتے:

کبھی تو اُس سے ملاقات ہو گی جلسہ پر
کبھی تو آئے گا وہ وصل کے مہینوں میں

نادان اسے بھی چوہدری صاحب کا حُسنِ طلب خیال کرتے رہے، مگر اس سادہ سی بات کو نہ سمجھ سکے کہ اس میں چوہدری صاحب کے لندن جانے کا ذکر نہیں بلکہ ربوہ کے ان جلسوں کا ذکر تھا جن کی شمعِ محفل دور افتادہ زمینوں کی طرف ہجرت کر گئی تھی۔ سو یہ ہجر چوہدری صاحب کو بری طرح لاحق تھا، اور آپ اسے اپنی گفتگو، اپنے اشعار اور اپنے تخیلات میں تا دیر دہراتے نہ تھکتے۔ پھر یہ ہجر بھی ایسے میں لاحق ہوا ہو کہ جب اک آگ غمِ تنہائی کی ان کے سارے بدن میں پھیل چکی تھی۔

چوہدری صاحب سے ملاقاتوں میں زیادہ وقفہ تب آنے لگا جب میں یونیورسٹی میں پڑھنے لاہور چلا گیا۔ مگر جب جب ربوہ جانا ہوتا، چوہدری صاحب سے ملاقات کی کوشش ضرور کرتا۔ ربوہ جا کر ان سے ملاقات نہ ہو سکتی تو اس کی دو ہی وجوہات ہوتیں۔ یا تو یہ کہ چوہدری صاحب گوجرہ گئے ہوتے، یا میری کوتاہی اَور بہت سے ضروری کاموں کی طرح اس کام کی راہ میں بھی حائل ہو جاتی۔ ورنہ چوہدری صاحب نے ہمیشہ بانہیں کھول کر استقبال کیا اور کبھی مصروفیت کا عذر تک نہ کیا۔

2002ء میں خاکسار لندن آ گیا۔ پھر پانچ سال کا طویل عرصہ چوہدری صاحب سے کوئی ملاقات نہ ہو سکی۔ رابطہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ چوہدری صاحب کی صحت کے خراب ہونے کی خبریں آنے لگیں۔ پھر ایک روز چوہدری صاحب کا مجموعہ کلام ”اشکوں کے چراغ“ شائع ہو کر لندن پہنچ گیا۔ یوں کئی روز چوہدری صاحب سے غائبانہ ملاقات رہی۔ اتنے میں پانچ سال کا عرصہ گزر گیا اور مجھے پاکستان جانے کا موقع ملا۔ رات کو ربوہ دارالضیافت پہنچا تھا۔ صبح صبح چوہدری صاحب کو ملنے کے لئے حاضر ہو گیا۔ سنا تھا کہ چوہدری صاحب بہت کمزور ہو چکے ہیں۔ مجھے ڈر تھا کہ شاید چوہدری صاحب پہچان بھی نہ پائیں گے۔ اگر مجھے پہچان نہ پائے تو مجھے کس قدر صدمہ ہوگا، میں بات کیا کروں گا، اتنی لمبی غیر حاضری کی کیا توجیہ دوں گا۔ ان اندیشوں سے الجھتا ان کے دفتر میں حاضر ہو گیا۔ چوہدری صاحب بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا تو اچانک اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ پاس بلا لیا۔ گلے سے لگا لیا۔ اور پھر وہی رقّت۔ مگر اس رقت کی بھی تو سمجھ نہ آتی تھی کہ واقعی پہچان لیا ہے یا کسی اور کیفیت میں رقت طاری ہے۔ بہت پیار سے گلے لگائے لگائے کہنے لگے ”میرا مجموعہ جدوں شائع ہو ریا سی، میرا دل کرداسی کہ تسی وی ہندے“۔ میں سر سے پاؤں تک خوش ہو گیا۔ چوہدری صاحب نے مجھے پہچان لیا تھا۔ مجھے بتانے لگے کہ تم سے کبھی کبھی ایم ٹی اے پر ملاقات ہو جاتی ہے۔ پھر میرے اہل خانہ کا پوچھتے رہے۔ نہیں کیا تو اتنی لمبی غیر حاضری کا گلہ نہیں کیا۔ بڑے آدمی جو تھے۔ میرے پاس بھی اس غیر حاضری کی معذرت کرنے کی کوئی توجیہہ تھی نہ ہمت۔ پھر اور بہت سی باتیں کرنے کو جی چاہتا تھا مگر ایک بات نے طبیعت ایسی اداس کی کہ اجازت لے کر اٹھ کر چلا آیا۔

آپ کے دفتر کے ایک کارکن آپ کے پاس ایک خط دستخط کروانے کے لئے لے کر آئے۔ وہ چوہدری صاحب کو بتاتے رہے کہ دستخط کہاں کرنے ہیں، مگر چوہدری صاحب کا قلم صفحہ پر اِدھر اُدھر کچھ تلاش کرتا پھرا۔ پھر کارکن نے معین جگہ پر انگلی رکھ کر انہیں منزل دکھائی تو چوہدری صاحب نے بدقت وہاں پر دستخط کر دیئے۔ دستخط کرتے ہوئے رعشہ سے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ مجھے لگا کہ چوہدری صاحب کسی روز اپنی ذات کے ٹریفک میں ٹھہر گئے ہوں گے۔ یا پھر ہاتھ کی لکیریں باہم ٹکرا گئی تھیں۔ وہ حادثہ جس سے چوہدری صاحب بچتے پھرتے تھے، پیش آچکا تھا۔ حادثہ نے کیسی شکست و ریخت برپا کر دی تھی۔ میں بھی ایک حادثہ کے چشم دید گواہ کی طرح سکتہ کے عالم میں ان کے دفتر سے نکل آیا۔

پھر 2009ء میں وصل کے مہینے آئے تو چوہدری صاحب سے جلسہ سالانہ یُوکے پر ملاقات کا سبب پیدا ہوا۔ چوہدری صاحب کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ چوہدری صاحب اور بھی کمزور ہو چکے تھے۔ مگر ایک شاخِ نہالِ غم، جسے دل کہیں سو وہ تب بھی ہری تھی۔ یہ شاخ تھی خلافت سے دیوانگی کی حدوں تک پہنچا ہوا عشق۔ حضور کے نام پر، حضور کی شفقت کے ذکر پر، صرف لفظ ”حضور“ کہہ کر ہی آپ کا پورا وجود جذبات کے طوفانِ بادوباراں کی زد میں آجاتا۔ پورا وجود رقت سے کپکپا اٹھتا۔ آنکھیں ہمیشہ کی طرح سیاہ عینک کے پیچھے تھیں۔ اس ملاقات کے دوران سوچا کہ شاید اس کالی عینک کو پہننے کے پیچھے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ ہر وقت امڈتے اس طوفان کو دیکھ نہ لیں۔ یہ ایک دیوار تھی جو لوگوں کو انجمن میں آنے سے روکتی تھی، مبادا خود بھی رسوا ہوں اور چوہدری صاحب کی صیغۂ راز میں رکھے جذبات کو بھی رسوا کریں۔

پھر 2015ء میں جلسہ پر ان سے ملاقات کی امید بندھی۔ خبر آئی کہ محترم چوہدری صاحب جلسہ پر تشریف لائیں گے۔ میں نے سوچا کہ اس مرتبہ تو ہم کیمرہ چلا کر رکھ چھوڑیں گے اور چوہدری صاحب بولتے جائیں گے۔ اس مرتبہ کوئی پروگرام نہیں صرف آپ کی گفتگو ریکارڈ کریں گے۔ آپ کی زندگی کے ماہ و سال کیمرہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قید کر لیں گے کہ آئندہ نسلوں کی امانت ہے اور ان تک پہنچنا ضروری ہے۔ مگر محترم چوہدری صاحب کی بجائے یہ خبر آ گئی کہ چوہدری صاحب ضعف کے نتیجہ میں گر کر شدید چوٹ لگوا بیٹھے ہیں اور سفر ممکن نہیں۔ پھر ایک روز چوہدری صاحب کے انتقال کی خبر آ گئی۔ جلسہ میں کچھ ہی دن باقی تھے۔ سو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ کے افتتاح کے روز ارشاد فرمودہ خطبہ جمعہ میں آپ کے انتقال کا اعلان فرمایا۔ آپ کے اوصافِ حمیدہ بیان فرمائے اور قریباً تیس ہزار مقتدیوں نے اپنے امام کے پیچھے محترم چوہدری صاحب مرحوم کی نمازِ جنازہ ادا کی۔

چوہدری صاحب نے لکھ تو دیا کہ ’کبھی تو اس سے ملاقات ہو گی جلسہ پر‘ مگر یہ ملاقات ایسی بھی ہوگی، یہ شاید آپ کو معلوم نہ تھا۔ یا شاید معلوم ہی تھا، جبھی تو ہر بار، ہر مشاعرہ میں یہ مصرع پڑھتے ہوئے جذبات کے ریلے آپ کو بہالے جایا کرتے۔

مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کی خبر ضرور دی ہوگی کہ آپ کا جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح نے ہزاروں لوگوں کی جماعت کے ساتھ پڑھا ہے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اپنے مولا سے یہ خبر سُن کر چوہدری صاحب فرطِ جذبات سے رو پڑے ہوں گے۔

## حکایت سعدی

زندگی بھر آدمی دو ، ڈھونڈتے میں تھک گیا
ڈھل گئی ہے عمر لیکن مجھ سے یہ نہ ہو سکا
ایک وہ ، نامِ خدا پر جس نے مال و زر دیا
اور پھر اس فعل کی خاطر وہ مفلس ہو گیا
دوسرا وہ شخص ظلم و جَور جو کرتا رہا
اور پھر وہ ربّ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ گیا

( عبدالکریم قدسی )

## بقیہ: پیس سمپوزیم

از صفحہ 20

کی دُنیا میں اس غُربت وافلاس کی تکلیف زمانہ کے ذرائع ابلاغ کی ترقی کی وجہ سے دوچند ہو جاتی ہے، کیونکہ جنگوں کی تباہ کاریوں اورافلاس کی چکی میں پِسنے والے عوام بھی یہ دیکھ سکتے ہیں کہ امیر اور طاقتور ممالک میں عوام کس آرام اور میسر سہولیات کے ساتھ زندگی گُزار رہے ہیں۔ جب وہ دوسروں کو اس طریق پر رہتے دیکھتے ہیں تو معاشرہ میں انسانی حقوق میں یہ باہمی تضاد دلوں میں ردِعمل پیدا کرتا ہے اور اُس کے اُوپر مزید نمک پاشی کرنے والے انتہا پسند عناصر ہیں جو جذبات کو انگیخت کرتے ہیں اور مالی معاونت اور بیوی بچوں کے لئے بہتر اور خوشحال زندگی کے نہ صرف خواب دکھاتے ہیں بلکہ اُس کے حصول کے لئے وعدہ کرتے ہیں۔ اسی طرح غیر تعلیم یافتہ نوجوان اُن عناصر کے ہاتھ آجاتے ہیں، وہ اُن کی ذہنی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر اُن کے ذہنوں میں شدت پسندی کے رُجحانات اچھی طرح راسخ کر دیتے ہیں۔ یہ شدت پسند عناصر اکثر اس چیز سے فائدہ اُٹھاتے ہیں کہ اُن کے سربراہانِ مملکت نے عوام کے حقوق کو پسِ پُشت ڈال کر مایوس کُن صورتِ حال پیدا کی ہوئی ہوتی ہے۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ان جنگوں کی تباہ کاریوں اور غُربت وافلاس کی چکیوں میں پِسنے والی قوموں کے سربراہان بجائے اپنے عوام کی بہبودی کا خیال رکھنے اور اُن کی تکالیف دور کرنے میں کوشاں ہونے کے اکثر اپنی ذاتی ملکیتوں اور اونچی کُرسیوں اور طاقت برقرار رکھنے کے ذرائع کی طرف توجہ مرکوز کئے رکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کے دلوں میں اپنے لیڈروں کے لئے غصہ اور نفرت جنم لیتی ہے اور وہ دُنیا کی بڑی طاقتوں کو اپنا دُشمن تصور کرنے لگتے ہیں۔ یہ ایسا المیہ ہے جس کی خوفناک بازگشت ہمیں مسلمان ممالک میں بھی نظر آتی ہے۔ اپنے موروثی وطنوں میں اس شدت کی تکلیف دیکھتے ہوئے بعض مسلمان جنہوں نے باہر کے ممالک میں پرورش پائی ہے وہ شدت پسند عناصر کے زیرِ اثر آکر ذہنی تشنج کا شکار ہوئے ہیں اور اُنہوں نے مغربی ممالک میں خوفناک حملے کئے ہیں۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ لہٰذا میں اس بات کو پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم سچے دل سے اپنی دُنیا کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک محفوظ معاشرہ چھوڑ کر جائیں تو ہمیں بھر پور کوشش کرنی ہوگی کہ تیسری دُنیا کے لئے معیارِ زندگی مُنصفانہ طرز پر قائم ہو۔ غریب قوموں کو بجائے حقارت سے دیکھنے کے ہمیں چاہیئے کہ ہم اُنہیں اپنی انسانی برادری کا حصہ سمجھیں۔ وہ ہمارے بہن بھائی ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لئے ہم جو مدد فراہم کریں، یکساں مواقع اور اُمید افزا حالات پیدا کرنے میں جو معاونت کریں وہ حقیقت میں ہماری اپنی مدد ہوگی جس کے ذریعہ ہم دُنیا کا امن ممکن بنا سکیں گے۔ ورنہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ترقی پذیر ممالک میں غُربت اور تنگدستی کے منفی اثرات باقی تمام دُنیا کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ مزید بر آں، حالیہ دہشتگردی کے واقعات اور مغربی ممالک کی طرف کثیر تعداد میں لوگوں کا ہجرت کرنے کا رُجحان، اور قوم پرستی کے خیالات کا مغربی ممالک کے وسیع حلقوں میں پھیل جانا۔ ایسے عوامل ہیں جن سے دُنیا میں ایک تاریک دور کی یاد اور خوف پیدا ہوتا ہے۔ یہ امر بھی فکر انگیز ہے کہ دائیں بازو کی شدت پسند تنظیمیں بلند و بالا آواز سے سُنی جانے لگی ہیں، اور سیاسی حلقوں میں بھی اُن کا اثر ورسوخ بڑھنے لگا ہے۔ وہ لوگ بھی انتہا پسند ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ مُختلف قومیت یا رنگ ونسل یا عقیدہ رکھنے والے لوگوں کے خلاف معاشرہ میں زہر پھیلایا جائے۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طاقتور ممالک کے بعض رہنما اپنے بیانات میں بہت زیادہ قومی تشخص پر زور دینے لگے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے عوام سے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ وہ ہر دوسری چیز پر انہیں ترجیح دیں گے۔ میں اس چیز سے اختلاف نہیں رکھتا کہ حکومتوں اور قومی رہنماؤں کا اوّلین فرض اپنے شہریوں کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔ یہ بات اس حد تک درست ہے۔ جہاں تک یہ رہنما انصاف کا دامن پکڑے رہتے ہیں اور دوسروں کے حقوق تلف نہیں کرتے اس وقت تک اپنے شہریوں کے معیارِ زندگی کو بہتر بنانا ان کے لئے بڑی خوبی کی بات ہے۔ مگر جو لائحہ عمل ایسی بنیادوں پر بنائے جائیں جس میں نفسا نفسی، لالچ اور دوسروں کے حقوق سلب کرنے کا رجحان ہو وہ غلط لائحہ عمل ہوتے ہیں اور دنیا میں تفریق اور خلفشار کا بیج بونے کا موجب بنتے ہیں۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ اب میں ایک اور موضوع کی طرف آتا ہوں اور وہ ہے بین الاقوامی سطح پر ہتھیاروں کی تجارت۔ آج دنیا اپنے آپ کو ماضی کے ہر دور سے بڑھ کر مہذب گردانتی ہے۔ اس کے باوجود 2018ء میں صورتحال یہ ہے کہ ایسے ہتھیاروں کا استعمال کیا جا رہا ہے جن کا استعمال ہم صرف انسانیت سوز ہی گردان سکتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ایسے ممالک ہیں جو کلّی طور پر تباہ و برباد اور نیست و نابود ہو گئے ہیں۔ شام، عراق اور یمن جیسے ممالک میں ان کی اپنی حکومت کی طاقتیں اور باغی طاقتیں اور شدت پسند عناصر باہم ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ ان کے آپس کے انفرادی مفادات مختلف ہیں۔ مگر اس کے باوجود ایک چیز باہمی طور پر مشترک نظر آتی ہے اور یہ وہ ہتھیار ہیں جو ترقی یافتہ دنیا میں تیار کئے گئے ہیں۔ کھلے بندوں اور فخریہ طور پر بڑی طاقتیں ان ہتھیاروں کی تجارت کر رہی ہیں۔ اور ان ہتھیاروں کے استعمال سے معصوم انسانی جانوں کو تلف کرنے، اپاہج کرنے اور بے رحمی کے گڑھوں میں بے دریغ دھکیلنے کا کام لیا جا رہا ہے۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ دکھ کی بات یہ ہے کہ اس قسم کی حکومتیں اپنی ساری توجہ اس بات پر مرکوز کئے ہوئے ہیں کہ ان کی معیشت کو فروغ ملے۔ اور ان کے ملک کی دولت میں حتی الامکان اضافہ ہو۔ بغیر ایک لمحہ کے لئے اس چیز پر غور کرنے کے کہ اس لائحہ عمل کے اپنانے سے دنیا میں کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ وہ بڑی بے تابی کے ساتھ اور اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ایسے معاہدے طے کرتے ہیں جن سے یہ تباہ کن ہتھیار بہترین قیمت پر بِک سکیں۔ جبکہ ان میں سے جب ایک ہتھیار بھی داغ دیا جاتا ہے تو وہ کسی معصوم یا گناہ گار میں تفریق نہیں کرتا۔ وہ نہایت فخر کے ساتھ ایسے ہتھیار بیچتے ہیں جو بچوں، عورتوں یا معذوروں میں ذرہ برابر تمیز نہیں کر سکتے۔ بغیر کسی شرم کے یہ ہتھیار بیچے جاتے ہیں جو انسانی آبادیوں اور شہروں کو بلا تمیز و تفریق، نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ ان ہتھیاروں کو بیچنے والے ممالک کی معیشت کو وقتی فائدہ تو پہنچ جاتا ہے، مگر لکھوکھہا انسانوں کے خون سے ان کے ہاتھ رنگین ہو جاتے ہیں۔ اَن گنت معصوم بچے اپنے ماں باپ کو اس بربریت کے ساتھ اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا ہوا دیکھتے ہیں اور وہ بے بسی کے ساتھ تکتے رہ جاتے ہیں۔ اُن کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا کہ ان کے والدین کیوں ان سے چھن گئے۔ ہزاروں کی تعداد میں عورتیں بیوگی کی حالت میں رہ جاتی ہیں جن کی زندگی میں ہر امید چھن چکی ہوتی ہے اور وہ دنیا کی مختلف اذیتوں کا شکار بن جاتی ہیں۔

حضورِ انور نے استفہامیہ انداز میں فرمایا کہ اس تمام تباہی و بربادی سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے!؟ میں تو اس صورتحال سے نکلنے والی ایک ایسی بچوں کی کھیپ کا تصور کر سکتا ہوں جو اُن عناصر کے ہاتھ میں آجائیں گے جو چاہتے ہیں کہ دنیا کے امن کو برباد کر دیں۔

حضورِ انور نے فرمایا جب ایک چھوٹا بچہ یا جوانی میں قدم رکھنے والا بچہ، یہ منظر اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہے کہ اس کے ماں باپ سخت بربریت کے ساتھ اس سے چھین لئے جاتے ہیں، تو اس کے بعد اُس کا ردِ عمل دکھانے پر کون اُس کو الزام دے سکتا ہے۔ مَیں اس سے پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ انتہا پسند اُن بچوں اور نوجوانوں کو اپنا شکار بناتے ہیں جو غربت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب رہے ہوتے ہیں اور جنگوں کی تباہی و بربادی نے جن کے ذہنوں کو مسخ کر دیا ہوتا ہے۔ یہ انتہا پسند ایسے نوجوانوں کو پھانسنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جن کے بارہ میں اُنہیں معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے جذبات کو وہ آسانی سے انگیخت کر سکتے ہیں، تا کہ اُنہیں بدلہ لینے پر اور خون بہانے پر آمادہ کر کے دہشت گردی کے منصوبوں میں استعمال کر سکیں۔ بجائے اس کے کہ یہ بچے سکول جائیں، تعلیم حاصل کریں اور اچھے شہری بنیں جنہیں قوانین کا پاس ہو، بچوں کی ایک پوری نسل کو صرف یہ تربیت مل رہی ہے کہ کس طرح گرینیڈ اور میزائل اور خودکش حملے کئے جائیں جن سے دنیا کا امن برباد

**Earlsfield Properties**

*We will manage your property at 0% commission*

*Guaranteed rate schemes for 3 & 5 years*

*Free management Service*

*Guaranteed vacant possession*

**175 Merton Road London SW18 5EF**

Tel: 020-8265-6000 or 020 8877 - 0762 Fax: 020 8874 9754

ہوجائے۔ مزید برآں یہ کہ بعض ممالک بلاوجہ ہزاروں میل دور ہونے والے جھگڑوں میں ملوث ہوتے ہیں اور اپنے فوجیوں کے ذریعہ یا ہوائی حملوں کے ذریعہ دُور دراز کے ممالک پر حملے کرتے ہیں۔

حضورِانور نے فرمایا کہ بہت سے واقعات سے یہ شہادت ملتی ہے کہ دنیا نے اپنی گزشتہ غلطیوں سے سبق حاصل نہیں کئے۔ وسیع حلقوں میں اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ 2003ء میں لڑی جانے والی عراق کی جنگ غیر منصفانہ تھی اور غلط شہادتوں پر مبنی تھی۔ اسی طرح لیبیا اندوہناک قسم کے فسادات میں گھر گیا ہے اور انتہا پسند عناصر کے پھلنے پھولنے کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ یہ صورتحال چند سال پہلے وقوع پذیر ہوئی جب مغربی طاقتوں نے لیبیا میں اپنے موقف کے مطابق اقدامات کئے۔ اس قسم کے نتائج کے باوجود بڑی طاقتوں نے اس سے سبق حاصل نہیں کیا۔ بڑے بڑے شہر اور انسانی آبادیاں یک لخت زمیں بوس کردی گئیں۔ ہزاروں تعمیرات خاکستر کر دی گئی ہیں۔

حضورِانور نے فرمایا کہ شروع میں مَیں ذکر کر آیا ہوں کہ بین الاقوامی برادری کی توجہ کا مرکز دنیا میں وقوع پذیر ہونے والی موسمیاتی تبدیلیاں ہیں اور یہ تمنا کہ جس فضا میں ہم سانس لیتے ہیں وہ صاف و شفاف رہے۔ کیا کوئی ایسا شخص ہے جو یہ خیال کرتا ہو کہ اس قدر شدید بمباری کا ماحولیات پر اثر نہیں ہوگا؟ مزید برآں اگر کبھی جنگوں سے تباہ ہونے والے ممالک میں امن کا قیام ممکن ہوسکا تو اُن کے شہر اور مکانات بنیادوں سے دوبارہ تعمیر کرنے پڑیں گے۔ اور یہ اپنی ذات میں ہی اس قدر عظیم تعمیراتی کام ہوں گے جن کے دوران نقصان دہ ڈیزل وغیرہ کے اخراج ماحول کی کثافت میں اضافہ کریں گے۔ ایک ہاتھ سے تو ہم اس کرّہ ارض کو محفوظ بنانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں جب کہ دوسرے ہاتھ سے ہم بے دردی کے ساتھ اس کی تباہی کے اقدامات کررہے ہیں۔ اِن تمام شواہد کی روشنی میں مجھے یقین ہے کہ دنیا کی بڑی طاقتوں کی تنگ نظری اور کوتاہ بینی نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔

حضورِانور نے فرمایا کہ سب سے بڑی دلیل جو اسلحہ کے فروغ کے لئے دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلحہ کا حصول حملہ آوروں کی حوصلہ شکنی کا باعث ہوتا ہے اور اس طرح امن کے قیام پر منتج ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں جیسے ہی ہم اپنے ٹیلیویژن آن کرتے ہیں اور لحظہ بھر کو خبریں دیکھتے ہیں تو فوراً یہ حقیقت رُونما ہوتی ہے کہ اس قسم کے دلائل غلط ہیں اور یہ ایک نظریاتی دھوکہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہزاروں معصوم بچے جو ان مہلک ہتھیاروں کے استعمال کے دوران اپنے ماں باپ سے محروم ہوگئے یا اُن کے اپنے ہاتھ پاؤں یا دیگر اعضا ضائع ہوگئے، اُن کو یہ منطق ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ نہ ہی یہ دلیل اُن ہزاروں عورتوں کو قائل کر سکے گی جو اس دوران بیوہ کردی گئی ہیں اور نہ ہی اُن کروڑوں افراد کو جو اپنے ہنستے بستے گھروں سے محروم کردیئے گئے ہیں۔ اگر ہم یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اپنے بچوں کے لئے ایک پُرامید زندگی چھوڑ کر جائیں اور اپنی آئندہ نسلوں کو ایک پُرامن دنیا میں رہنے کی نوید دے سکیں تو ہمیں قطع نظر مذہب و عقائد کے اپنی ترجیحات کو فوری طور پر تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ بجائے اس کے کہ مادہ پرستی اور طاقت کا حصول ہماری ترجیحات پر حاوی ہو، ہر ملک و قوم خواہ امیر ہو یا غریب، اسے تمام دنیا کے امن اور سلامتی کو ہر دوسری چیز پر ترجیح دینی ہوگی۔ بجائے اس کے کہ اسلحے کی دوڑ میں شامل ہوں جو ہلاکت اور تباہی کا موجب بنے، ہمیں انسانیت کی حفاظت اور بچاؤ کی دوڑ میں شامل ہونا چاہئے۔

حضورِانور نے فرمایا کہ بجائے اس کے کہ جنگ پر آمادہ ملکوں کی سرحدوں اور بندرگاہوں کو بند کیا جائے، جس کے نتیجہ میں معصوم بچے فاقہ کشی کے عذاب میں مبتلا کردیئے جائیں اور بیمار علاج سے محروم کردیئے جائیں۔ ہمیں اپنے دل ایک دوسرے کے لئے کھول دینے چاہئیں۔ ہمیں تقسیم کرنے والی دیواروں کو گرا دینا چاہئے، بھوک و افلاس اور تکالیف میں مبتلا لوگوں کے لئے مددگار بن جانا چاہئے۔

حضورِانور نے فرمایا کہ جہاں تک سیاسی دشمنی کا تعلق ہے امریکہ اور شمالی کوریا کے مابین ہونے والا کوئی بھی جھگڑا دنیا کے امن کے لئے مستقل خطرے کا باعث ہے۔ اور دونوں کے درمیان ہونے والا کوئی بھی تنازعہ، جنوبی کوریا، چین اور جاپان پر شدید طور پر اثرانداز ہوسکتا ہے۔

حضور نے امریکہ اور شمالی کوریا کے صدران کے درمیان رابطہ کی کوششوں کے حوالہ سے فرمایا کہ ان کے درمیان اگر کوئی معاہدہ طے پا جائے تو خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کتنا پائیدار ہوتا ہے کیونکہ فریقین میں گہری نفرت کی جڑیں موجود ہیں۔ جیسا کہ چند سال پہلے ایران کے ساتھ جوہری توانائی کا جو معاہدہ تشکیل دیا گیا تھا اس پر ایران اور مغربی طاقتیں باہمی طور پر رضامند تھیں مگر چند سال ہی گزرے ہیں اور اب صورتحال یہ ہے کہ اس معاہدہ کی حالت بھی نازک ہے۔

حضورِانور نے فرمایا کہ اسی طرح اور بہت سے تنازعات ہیں جن کا لاوا آہستہ آہستہ سلگ رہا ہے اور ان کے کسی وقت بھی پھٹ پڑنے کا خدشہ رہتا ہے جس کے ہولناک نتائج کا تصور کرنا بھی تکلیف دہ ہے۔

حضورانور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں یہ بات توجہ کے لائق ہے کہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ امن کا قیام صرف اُس صورت میں ممکن ہے جب دلوں سے بغض اور عناد کو نکال باہر کیا جائے اور اُس کی جگہ ایک معاف کرنے کی روح پیدا کی جائے اور باہمی محبت اور صلہ رحمی کے روابط ایک دوسرے سے قائم کئے جائیں۔

حضورِانور نے فرمایا کہ اسلام کو عموماً انتہا پسند اور تشدد پسند مذہب خیال کیا جانے لگا ہے اور یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جن ممالک میں رہتی ہے، اُن کے وفادار نہیں ہیں یا معاشرہ میں ہم آہنگی کی بجائے بدامنی پھیلانے کا موجب ہیں۔ مَیں اِن الزامات کو غلط اور غیر منصفانہ سمجھتا ہوں اس کے باوجود کہ مسلمان کہلانے والے دہشت گرد، اسلام کا نام استعمال کرکے اپنی کارروائیاں کرتے ہیں، مَیں نہیں سمجھتا کہ ہم اِس صورتحال میں مذہبی جنگ کا مشاہدہ کررہے ہیں بلکہ حقیقت میں یہ جنگیں جو لڑی جارہی ہیں اور مظالم جن کا ارتکاب کیا جارہا ہے، علاقائی سیاست اور ذاتی مفادات پر مبنی ہیں۔ نام نہاد جہادی شدت پسند اور انتہا پسند مولوی، اسلام کے نام پر دھبہ لگاتے ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت جو پُرامن اور قانون کے تابع چلنے والے شہری ہیں اُن کی تمام کوششوں کو گزند پہنچانے کا باعث ہیں۔ اسلامی نقطہ نگاہ نے کسی صورت میں بھی انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور اس کی ہر شکل کو مسترد کیا ہے۔ قرآن کریم کی جو آیات آج کے اس اجلاس کے شروع میں تلاوت کی گئیں اُن میں اس کا واضح ثبوت موجود ہے۔ اِن آیات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جو جنگیں لڑی گئیں اُن کا مقصد تمام مذاہب کا دفاع تھا اور یہ کہ عقائد کی آزادی کے حق کی حفاظت کی جائے۔ اِن آیات میں نہایت وضاحت سے کہا گیا ہے کہ گرجے، یہودیوں کے معابد، مندر اور مساجد کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ یہ وہ اہم نکتہ ہے جس کو مَیں نے بار بار پیش کیا ہے اور اب بھی اُس کو دہراتا ہوں کہ جو شخص بھی انسانی آزادی کے اصولوں، عقائد کی آزادی اور ضمیر کی آزادی کی خلاف ورزی کرتا ہے، وہ اسلام سے بہت دور جا پڑا ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ میں بھی بعض ایسے ہیں جو اس رائے کو مانتے ہیں اور اس کے صحیح ہونے کے بارہ میں آواز اٹھاتے ہیں۔ مَیں دیانتداری اور منصفانہ اصولوں کی اس خدمت پر ان کو داد دیتا ہوں۔ مثال کے طور پر اخبار گارڈین کی حالیہ اشاعت میں ایک کالم چھپا ہے جس میں کالم نگار نے لکھا ہے ”مسلمانوں میں دہشت گردی نہ تو پہلے اور نہ ہی اب اسلام کو فروغ دینے کا ذریعہ ہے۔ اس کے پیچھے ہمیشہ علاقائی حقوق ہتھیانا، قدرتی اور معاشی وسائل کی چوری اور بین الاقوامی مالی پالیسیوں کا عمل دخل رہا ہے، جس کے نتیجہ میں ملکوں کے اندر مسلمان عوام غربت اور بدحالی میں مبتلا کردیئے جاتے ہیں۔“

حضور انور نے فرمایا کہ اِن الفاظ میں نام نہاد مسلمانوں کی دہشت گردی کے پیچھے کارفرما حقیقت کی بالکل صحیح عکاسی کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں، ایک قومی اخبار میں لکھتے ہوئے صحافی، پیٹر اوسبورن، ایک ایسی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں جس سے اختلاف کرنا مشکل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خاصی بڑی تعداد میں مسلمان، مغربی خفیہ اداروں کی مداخلت کے نتیجہ میں انتہا پسندی کا رجحان پیدا کرتے جارہے ہیں۔ اگر سب نہیں تو اُن میں سے بڑی تعداد اُس طرف جھکاؤ اختیار کررہی ہے۔ اس سلسلے میں یہ صحافی، ایک برطانوی خفیہ ادارے کے سابق افسر کے بیان کا حوالہ دیتا ہے جس نے کہا کہ: ”یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک جانب تو داخلی پولیس سروس اپنی تمامتر قوت سے ہمارے معاشرہ کی حفاظت کے لئے دہشت گردی سے لڑ رہی ہے، جبکہ دوسری جانب ہماری اور امریکہ کی دفاعی ایجینسیوں کے بعض عناصر جہادیوں کی تربیت کرتے اور اُن کو اسلحہ فراہم کرتے رہے ہیں اور ان کی بعض دہشت انگیز سرگرمیوں میں تعاون کرتے رہے ہیں۔

علاوہ ازیں، دی بوسٹن گلوب میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں کولمبیا یونیورسٹی کے سینٹر فار سسٹینیبل ڈیویلپمنٹ کے ڈائریکٹر، پروفیسر Jeffry Sachs، تحریر کرتے ہیں: ”متعدد مواقع پر سی آئی اے نے مشرقِ وسطیٰ کی حکومتوں کا استحکام درہم برہم کیا ہے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی کشیدہ صورتحال میں امریکہ کا جو کردار رہا ہے اُس سے ذرائع ابلاغ کے اجارہ داروں نے صرفِ نظر کیا ہے۔“

پروفیسر Sachs تنازعات کے باہمی تعاون سے مل جل کر ان کے حل نکالنے کے بارہ میں تحریر کرتے ہیں:

”امریکہ کو فوری طور پر مشرقِ وسطیٰ میں لڑائی ختم کردینی چاہئے، اور قوموں کا تحفظ اور تنازعات کا حل اقوامِ متحدہ کے اثر و رسوخ کے ذریعہ طے کرنے چاہئیں۔“

حضورِ انور نے فرمایا کہ غیر مسلموں کے لکھے ہوئے بھی بہت سے کالم حالیہ زمانہ میں شائع ہوئے ہیں جو اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ داعش جیسے گروہ بیرونی امداد کے بغیر پنپ نہیں سکتے تھے۔ مَیں یہ نہیں کہہ رہا کہ دخل اندازی کرنا ہمیشہ ہی غلط ہوتا ہے مگر ہر قدم منصفانہ اور برمحل ہونا چاہئے اور ذاتی مفاد کو پس پشت ڈال دینا چاہئے۔

قرآن پاک کی سورہ نمبر 49۔ الحجرات آیت نمبر 10 میں فرمان ہے کہ کسی بھی مداخلت کا مقصد ہمیشہ امن کا پائیدار قیام ہونا چاہئے اور مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے دشمنوں سے بھی انصاف کریں۔ لہٰذا، جہاں اسلام نے، آخری حربے کے طور پر ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کو دفاعی جنگ کی اجازت دی تھی، وہاں انہیں یہ حکم بھی دیا تھا کہ جب امن قائم ہوجائے تو انصاف کے تقاضوں کو قائم رکھیں اور کبھی بھی ذاتی فائدہ کی طرف نہ جھکیں یا حد سے ہرگز آگے نہ بڑھیں۔

اسلامی تعلیم کی روشنی میں حضورِانور نے فرمایا کہ یقیناً، یہ بنیادی اور جامع رہنما اُصول آج بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے اُسی طرح فائدہ مند ہے کہ جہاں ظالم کا ہاتھ ظلم سے روکنے کے لئے سختی کی ضرورت ہو، تو وہاں طاقت کا استعمال جائز ہے لیکن اس موقع پر بدلہ لینے یا محکوموں کا مال لُوٹنے کی نیت شامل نہ ہو۔ جب ایک مرتبہ ظالم امن کی طرف لوٹ آئے تو اسلامی تعلیم یہ ہے کہ اُن کو ان کے حقوق سے محروم نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی کسی طور پر ان کے حالات سے کسی قسم کا فائدہ اُٹھانے کی اجازت ہے۔

حضورِانور نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ساری زندگی لوگوں کو امن کے ساتھ باہم جوڑ کر رکھنے کی کوشش کی اور ہمیشہ دوسروں کے بالمقابل اپنے حقوق کی قربانی دی۔ بہت سے غیر مسلم مصنفین اور مفکرین، جنہوں نے بنظرِ غور اسلام کا مطالعہ کیا ہے، اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قوموں کو متحد کیا اور مذہبی آزادی کا علَم بلند کیا۔ مثال کے طور پر، آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک سینئر ریسرچ فیلو، Peter Francopan، نے اپنی تصنیف: The Silk Roads میں نبیٔ کریم ﷺ کا ذکر کیا ہے۔ اس میں

مصنف نے بیان کیا ہے کہ کیسے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مختلف عقائد کے لوگوں میں یک جہتی اور باہمی گفت وشنید کو فروغ دیا اوراس وقت کے عیسائی اور یہودی گروہوں سے مل جل کرکام کیا۔

وہ اُس وقت کے مذہبی گروہوں کے مابین مشترک اقدار کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات صلح پسندی پر مشتمل تھیں۔ایک موقع پر مصنف اس زمانہ کا ذکر کرتا ہے جب رسول اللہ ﷺ شہرِ مدینہ کے نظام کی قیادت پر متعین تھے۔وہ لکھتے ہیں:

''شہر (مدینہ) کے یہودی قائدین نے (حضرت) محمد (ﷺ) سے باہمی دفاع کے بدلے میں مدد کا معاہدہ کیا۔اس کا اقرار ایک تحریری دستاویز میں درج کیا گیا جس میں تحریر تھا کہ مسلمان اب اور آئندہ اُن کے عقیدہ اوران کی ملکیتوں کا احترام کریں گے۔''

آگے وہ مزید لکھتے ہیں:

''جیسے جیسے مسلمانوں کی طاقت بڑھی تو، (حضرت) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب نے اپنی کوششوں میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو ہر قسم کے خوف سے آزادی حاصل رہے''

حضورِ انور نے مزید فرمایا کہ، حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے ہمیشہ نہایت شدت کے ساتھ دہشت گردی اور انتہاپسندی کی مخالفت کی ہے۔حضور نے فرمایا کہ مَیں اِس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ بعض مسلمانوں کے شر انگیز اقدامات نے معاشرہ کو شدید نقصان پہنچایا ہے،مگر میں یہ نہیں مانتا کہ آج کی دنیا میں موجود انتشار کے ذمہ دار صرف مسلمان ہی ہیں۔ بہت سے مبصرین اور نقاد اب کھلے عام کہہ رہے ہیں کہ بعض مخصوص غیر مسلم طاقتیں اور گروہ بھی امن کو تلف کرنے اور معاشرتی یک جہتی کو ٹھیس پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ اتنا کہنا کافی ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ تمام دنیا کے لوگ اس سوچ کو اپنے ذہنوں سے نکال دیں کہ تمام دنیا کے مسائل کے ذمہ دار صرف مسلمان ہی ہیں۔

مزید برآں ہم اب اُس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ ہمارے رہنماؤں کو چاہئے کہ بجائے اپنی سیاسی جماعتوں اور حکومتوں کی ترقی کو فوقیت دینے کے، وہ دنیا میں قیامِ امن اور انسانیت کی بھلائی کو ترجیح دیں۔

حضورِ انور نے پُرشوکت الفاظ میں فرمایا کہ اب دنیا میں حقیقی امن قائم کرنے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔

حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے حضورِ انور نے فرمایا کہ ایک وسیع تر بین الاقوامی تناظر میں، ہمیں اس حقیقت کو مان لینا چاہئے کہ طاقت کے استعمال سے شاذ ہی کوئی پائیدار فائدہ ممکن ہوسکتا ہے۔چنانچہ شمالی کوریا، ایران، یا کسی اور ملک سے واسطہ پڑنے پر بڑی طاقتوں کو چاہئے کہ احتیاط اور حکمت سے کام لیں اور کوشش کریں کہ ہر ایک کے تحفظات پر مفاہمت کی روح سے غور کیا جائے۔ جیسا کہ ایک کالم نگار جن کا مَیں ذکر کر آیا ہوں اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ عالمی طاقتوں کو سفارتی ذرائع کو استعمال کر کے باہمی اُلجھنوں سے بڑھتے ہوئے دباؤ کو کم کرنے کو فوقیت دینی چاہئے۔اُنہیں امن کے حصول کے لئے ایسے مذاکرات اور معاہدے کرنے چاہئیں جو ایک فریق کی جانب جھکاؤ نہ رکھتے ہوں بلکہ جو تمام فریقوں کے مسائل کو حل کریں۔ علاوہ ازیں جب امن قائم ہوجائے تو ہمیں گزشتہ دشمنیوں یا نفرتوں کو بھلا کر، ایک دوسرے کے جذبات کے احترام اور عزت نفس قائم رکھتے ہوئے آگے قدم بڑھانے چاہئیں۔

حضورانور نے فرمایا یہ میرا پختہ ایمان اور یقین ہے کہ بنی نوع انسان کی تاریخ میں درگزر، ظلم برداشت کر کے نیکی اور رحم کا عظیم ترین نمونہ، بانیٔ اسلام، محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہے۔تیرہ سال تک آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو ایسے دردناک مظالم کا نشانہ بنایا گیا تھا جس کا تصور بھی محال ہے۔اُنہیں اُن کے گھروں سے نکالا گیا اور زبردستی مکّہ کے شہر سے ہجرت پر مجبور کردیا گیا۔ اس عرصہ کے دوران مسلمانوں کو بیدردی سے شہید کیا گیا۔ جسمانی اور ذہنی اذیتیں دی گئیں۔ دہکتے ہوئے کوئلوں پر لمبے وقتوں کے لئے لٹا کر عذاب دیا جاتا تھا۔اور شدید ترین معاشرتی بدحالی کا شکار بنایا گیا۔مسلمان خواتین کی ٹانگیں دو اونٹوں سے باندھ دی جاتی تھیں اور پھر اِن اونٹوں کو مخالف سمتوں میں دوڑایا جاتا تھا۔ اس بہیمانہ طریق سے اُن کے جسم چیر دیئے جاتے تھے۔ پھر بھی جب محمد رسول اللہ ﷺ فاتح بن کر مکہ میں داخل ہوئے، تو آپ نے بدلے میں خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہایا بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی روشنی میں آپ ﷺ نے یہ فرمان جاری فرمایا کہ تمام مخالفین کو معاف کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ شدید مظالم ڈھانے والے اور اسلام کی دُشمنی کرنے والے لوگ تھے۔۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلامی قانون کے تحت، تمام لوگوں کو اپنے مذہب اور عقیدہ پر بغیر کسی مداخلت یا خوف کے عمل کرنے کی آزادی ہوگی۔صرف ایک شرط لازم تھی اور وہ یہ تھی کہ ہر شخص کو معاشرہ میں امن کے ساتھ رہنا ہوگا۔

آپ ﷺ نے ہدایت دی کہ بلاتفریقِ رنگ و نسل، تمام لوگوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے اور بہر صورت ہر فرد کی عزت برقرار رکھی جائے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا رہتی دُنیا کے لئے عظیم الشان مثالی نمونہ ہے۔ یہ عفوو درگزر اور انسانیت کے لئے رحم ایسا ہے جسے ہر مسلمان اور غیر مسلم کو آج کی دُنیا میں اختیار کرنا چاہئے۔ یہ عفو اور نیک سُلوک کرنے کی وہ روح ہے جسے تمام قوموں کو، چاہے وہ چھوٹی ہوں یا بڑی، امیر ہوں یا غریب اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے تبھی پائیدار امن کا حصول ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

آخر پر حضورِ انور نے فرمایا کہ مَیں دل کی گہرائیوں سے یہ دعا کرتا ہوں کہ بنی نوع انسان ایک دوسرے پر عائد ہونے والے فرائض کو پہچاننے لگیں، تاکہ ہمارے بعد میں آنے والے ہمیں فخر اور شکر گزاری کے جذبے سے یاد رکھیں۔ آئیے آنے والے کل کی جانب دیکھتے ہیں نہ کہ محض آج کی جانب۔ آئیے ہم اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کو بچائیں۔ اللہ ہمیں دانشمندی، فہم، حکمت اور دانائی عطا فرمائے۔

آخر میں حضور انور نے حاضرین کا شُکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ سب ہمارے ساتھ اس تقریب میں شامل ہوئے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

تقریب کے آخر میں حضور انور نے دعا کروائی جس میں حاضرین نے اپنے اپنے طریق سے شرکت کی۔

بعدازاں تمام حاضرین نے عشائیہ میں شرکت کی۔

اس کے بعد بہت سے مہمانوں نے حضور انور سے فرداً فرداً مل کر سمپوزیم کے متعلق اپنے نیک جذبات کا اظہار کیا۔

## بقیہ: الفضل ڈائجسٹ

از صفحہ 18

فرمایا کہ یہ آپ کو تہجد پر اُٹھایا کرے گا پھر آپ میرے لئے بھی دعا کیا کرنا۔ اس طرح تہجد پر اُٹھنے کی ترغیب دلائی۔ ایک مرتبہ جائے نماز تحفہ دی۔

دفتر میں آنے والے مہمانوں کی مہمان نوازی اکثر اپنی ذاتی رقم سے کیا کرتے تھے۔ ہر مہمان سے اس طرح ملتے کہ گویا اُسے برسوں سے جانتے ہیں لیکن بعض دفعہ بعد میں پوچھتے کہ یہ صاحب کون تھے؟۔تب معلوم ہوتا کہ آپ پہلی مرتبہ اُس مہمان سے ملے تھے۔ کارکنان کو تاکید تھی کہ مہمان کو یہ احساس نہ ہونے دیں کہ وہ کسی اجنبی جگہ پر آئے ہیں۔ نصیحت کرنے سے پہلے خود عملی نمونہ پیش کرتے ۔ویسے نصیحت کا انداز بہت شگفتہ ہوتا تھا۔ اکثر لطیفے یا ذاتی زندگی کے سچے واقعات سنا کر نصیحت کرتے اور اتنا پیارا انداز ہوا کرتا تھا کہ کبھی بُرا نہیں لگا۔

ایک دن فرمایا جب مَیں نے حضرت مصلح موعودؓ کی تحریک پر زندگی وقف کی تو ملٹری اکاؤنٹس میں سپرنٹنڈنٹ تھا۔ وہاں کی تنخواہ کی نسبت وقف کا الاؤنس بہت کم تھا۔لیکن باوجود کم الاؤنس کے اللہ تعالیٰ نے مجھے کبھی بھوکا نہیں سونے دیا اور نہ مجھے کبھی اپنے وقف کرنے پر کوئی پچھتاوا ہوا۔ بہت متوکّل انسان تھے۔

ایک مرتبہ مجھے بخار ہوگیا تو پہلے ہسپتال سے دوا لانے بھیجا اور واپس آنے پر اپنے کمرہ میں رکھے ہوئے ایک چھوٹے سے بیڈ پر لٹا دیا اور اپنے ہاتھ سے سیب کاٹ کر دیا کہ کھالو۔

جب کبھی اپنا کوئی ذاتی کام کرواتے تو پہلے پوچھتے کہ اس سے دفتری کام کا حرج تو نہیں ہوگا؟ کام ہونے کے بعد اتنے شکر گزار ہوتے کہ ہمیں شرم محسوس ہوتی کہ اتنا بڑا کام تو نہیں تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنی ایک چھوٹی سی کتاب بعنوان ''دلنشین یادیں'' ٹائپ کروائی اور اس چھوٹے سے کام کو ہمیشہ یاد رکھا۔ جب آپ صاحب فراش ہوئے تو ایک دن باتوں باتوں میں فرمانے لگے آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ خاکسار حیران ہوا اور دل میں سوچنے لگا احسان تو آپ کے مجھ پر ہیں۔ ابھی مَیں سوچ ہی رہا تھا کہ فرمانے لگے آپ نے خلفاء کرام کی یادیں ٹائپ کر کے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے ورنہ یہ کام رہ جانا تھا۔ مَیں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔

آپ کثرت کے ساتھ صدقہ کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی تحفہ رقم کی صورت میں دیتا تو ہمیشہ مساجد فنڈ میں جمع کروادیا کرتے تھے۔ بہت سے احباب کی مالی مدد بھی کیا کرتے تھے جن میں سے بعض احمدی نہیں تھے۔

جب مَیں نے ایک پرانی موٹرسائیکل خریدی تو معلوم ہونے پر فرمایا کہ ہر مہینہ 10، 20 روپے جتنی بھی توفیق ہو اس کا صدقہ نکالتے رہنا۔ اس طرح صدقہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ حادثات سے بچاتا ہے۔

عاجزی اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ کسی دفتری کامیابی کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے تھے۔ ایک بار مَیں نے اطلاع دی کہ پاکستان کا چندہ تحریک جدید کا ٹارگٹ پورا ہوگیا ہے تو فرمایا: الحمدللہ، ٹارگٹ اللہ تعالیٰ پورا فرماتا ہے اور نام ہم لوگوں کا ہوجاتا ہے۔

اکثر کہا کرتے تھے کہ تحریک جدید کا جو اُنیسواں مطالبہ ''دعا'' حضرت مصلح موعود نے بیان فرمایا ہے یہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ خود بھی ایک انتہائی دعا گو بزرگ تھے۔ جب کبھی آپ سے دعا کی درخواست کرتا تو پوچھتے کہ کیا حضور انور کو دعا کی درخواست کر دی ہے؟ جواب اثبات میں ملتا تو پھر کہتے اچھا مَیں بھی دعا کروں گا۔

...❁...❁...❁...

# الفضل ڈائجسٹ

(مرتبہ: محموداحمدملک)

اس کالم میں ان اخبارات و رسائل سے اہم ودلچسپ مضامین کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو دنیا کے کسی بھی حصہ میں جماعت احمدیہ یا ذیلی تنظیموں کے زیرانتظام شائع کئے جاتے ہیں۔

..........................

## محترم چودھری شبیر احمد صاحب

روزنامہ ’’الفضل‘‘ ربوہ 24 جولائی 2012ء کی خبر کے مطابق محترم چودھری شبیر احمد صاحب وکیل المال اوّل تحریک جدید ربوہ 22 جولائی کو 95 سال کی عمر میں ربوہ میں وفات پاگئے۔ 28 جولائی کے خطبہ جمعہ میں حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے محترم چودھری صاحب کے حالات زندگی اور اخلاقِ حسنہ اختصار سے بیان فرمائے اور بعدازاں آپ کی نماز جنازہ غائب پڑھائی۔

محترم چوہدری شبیر احمد صاحب کے والد حضرت حافظ عبدالعزیز صاحبؓ آف سیالکوٹ (بیعت 1895ء) اوروالدہ حضرت عائشہ بیگم صاحبہؓ دونوں صحابہ میں سے تھے لیکن آپ کے دادا مکرم چوہدری نبی بخش صاحب نے 1923ء میں بیعت کی تھی۔ وہ ریاست جموں کے باوقار زمیندار تھے اور مسلمانوں پر بعض پابندیوں کے باعث ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں ہجرت کرکے سیالکوٹ آگئے تھے۔ آپ کے والد حضرت حافظ صاحبؓ بلند اخلاق والی شخصیت تھے اور حافظِ قرآن ہونے کی وجہ سے اپنے علاقے میں بڑے نمایاں تھے۔

مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ سے حاصل کی اور 1931ء میں مڈل کے بعد مزید تعلیم وتربیت کی خاطر قادیان بھیج دیئے گئے۔ 1934ء میں میٹرک تعلیم الاسلام سکول قادیان سے کیا۔ پھر چونکہ قادیان میں کالج نہیں تھا اس لئے مرےؔ کالج سیالکوٹ سے بی اے کیا اور پھر قادیان میں حضرت مولوی شیر علی صاحب کے ساتھ دفتر میں کچھ عرصہ ترجمہ قرآن انگریزی کی ٹائپنگ کا کام کیا۔ پھر ملازمت کی تلاش میں لاہور آئے۔ کچھ عرصہ صحافت میں بھی وقت گزارا۔ اچھے معروف شاعر بھی تھے اور آواز بھی اچھی تھی۔ گفتگو میں بڑی شائستگی تھی۔

1940ء میں ملٹری اکاؤنٹس کا امتحان پاس کیا اور وہاں گیارہ سال کام کیا۔ اسی دوران 1944ء میں اپنے آپ کو وقف کے لئے پیش کردیا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے 1950ء میں آپ کا انٹرویو لے کر وقف منظور فرمایا اور پھر آپ اس ملازمت سے استعفیٰ دے کر ربوہ آگئے۔ پہلے نائب وکیل کے طور پر، اور 1960ء سے وفات تک وکیل المال اوّل کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ باون سال وکیل المال اوّل رہے۔ یعنی کُل 61 سال خدمت کی توفیق پائی۔ ذیلی تنظیموں میں بھی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ربوہ میں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے پہلے معتمد بنے۔ مجلس انصاراللہ میں نائب صدر صفِ دوم بھی رہے اور لمبا عرصہ رُکنِ خصوصی بھی رہے۔ مجلس کارپرداز کے ممبر تھے۔ قاضی بھی تھے۔ ربوہ کے بی ڈی ممبر بھی رہے۔ 1960ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی بیگم کی طرف سے حج بدل کی توفیق بھی ملی۔ کئی ممالک میں دوروں پر جاتے رہے۔ آپ کے کئی شعری مجموعے اور کتب بھی ہیں۔ 1965ء سے 1983ء تک جلسہ سالانہ ربوہ میں دُرّثمین سے نظمیں پڑھنے کا موقع ملا اور جلسہ سالانہ یُوکے میں بھی دوبار نظم پڑھنے کا موقع ملا۔ جلسہ سالانہ ربوہ کے موقع پر ایک مرتبہ ’’ذکرحبیب‘‘ کے عنوان سے تقریر بھی کی۔ 1985ء میں آپ پر ماہنامہ ’’انصاراللہ‘‘ میں نعت شائع ہونے پر ایک مقدمہ بھی بنایا گیا جس کے نتیجہ میں آپ قریباً دس گھنٹے پولیس کی تحویل میں رہے۔

آپ دورے پر پروجیکٹر اور سلائیڈز ساتھ لے جاتے اور لمبی چوڑی تقریروں یا دلائل کی بجائے سلائیڈز دکھا کر بتاتے کہ دنیا میں یہ ہمارے مشن، مساجد، سکول اور ہسپتال بن رہے ہیں۔ اس طرح تبلیغی اور تربیتی کام کیا۔

2009ء کے جلسہ یُوکے میں آپ کو خلافت جوبلی کے اظہارِ تشکر کی رپورٹ اور جماعت کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی خدمت میں مختلف دینی مقاصد پر خرچ کرنے کے لئے رقم پیش کرنے کی توفیق ملی۔

آپ کی اہلیہ محترمہ سلمیٰ بیگم صاحبہ 2001ء میں وفات پاگئی تھیں۔ آپ کی تین بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔ ایک بیٹے مکرم ظفر سرور صاحب مبلغ سلسلہ امریکہ ہیں، ایک بیٹے مکرم قمر احمد کوثر صاحب پرائیویٹ سیکرٹری (ربوہ۔ پاکستان) ہیں۔

محترم چودھری صاحب اپنے غیراحمدی رشتہ داروں کو تبلیغ کی خاطر لٹریچر بھجوایا کرتے تھے۔ دفتر والوں کے ساتھ بڑا حسنِ سلوک تھا۔ ان کے ایک کارکن لکھتے ہیں کہ پہلے تو سائیکل پر دفتر آیا کرتے تھے لیکن جب بہت بیمار ہوگئے تو گاڑی استعمال کرنے لگے۔ ایک دن گاڑی بھجوانے میں دیر ہوگئی تو کچھ کہنے کی بجائے ایک لفافے میں چند بادام متعلّقہ کارکن کو بھیج دیئے کہ یہ آپ کی یادداشت کے لئے ہیں۔ گھر میں بھی وعظ ونصیحت یا ڈانٹ ڈپٹ کی بجائے اپنا عملی نمونہ پیش کیا کرتے تھے جسے دیکھ کے بچے خود ہی اپنی اصلاح کرلیتے یا پھر ایسے رنگ میں کوئی کہانی سنا دیتے تھے جس سے اصلاح کی طرف توجہ پیدا ہوجاتی تھی۔ آخری بیماری میں کہنے لگے کہ شعر نازل ہورہے ہیں۔ بستر مرگ کے وہ شعر یہ تھے ؎

خدمتِ دین کی خاطر میرے مولیٰ
خدمتِ دین کی خاطر مجھے قرباں کر دے
وقتِ رخصت میرے واسطے وقتِ راحت
وقتِ رخصت میرے واسطے آساں کر دے
رخصتی کو میرے واسطے شاداں کر دے

حضرت مصلح موعودؓ نے جب آپ کا وقف قبول کیا تو یہ نصیحت فرمائی کہ جماعت کے کاموں کی اس طرح فکر کرنا جیسے ایک ماں اپنے بچے کی فکر کرتی ہے۔ آپ نے اس نصیحت کو ہمیشہ پلّے باندھے رکھا۔

آپ اپنی بیوی کا بڑا خیال رکھتے تھے لیکن کئی دفعہ ایسے مواقع آئے کہ اہلیہ بیمار ہیں یا بچے کی پیدائش ہونے والی ہے، توضرورت پڑنے پر یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ مَیں خدا کے دین کے کاموں سے جاتا ہوں، خدا تعالیٰ میرے باقی کام سنوار دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ سنوار بھی دیا کرتا تھا۔

ان کے ایک انسپکٹر کہتے ہیں کہ کچھ کتابیں دیکھ رہے تھے جو دفتر کی طرف سے جِلد کرائی گئی تھیں، اُن میں ایک دُرّثمین نکل آئی تو اکاؤنٹنٹ کو بلاکر فرمایا کہ یہ تو میری ذاتی دُرّثمین ہے اس کو بھی آپ نے جِلد کروادیا ہے، اس پر کتنے پیسے خرچ ہوئے ہیں۔ اکاؤنٹنٹ نے یہ کہا کہ سب کتابیں اکٹھی جِلد ہوگئی ہیں لیکن آپ نے پتہ کروایا اور وہ چند روپے اکاؤنٹنٹ کے حوالے کردیئے۔

آپ کے دفتر کے کارکن یہی کہتے ہیں کہ بڑے دلنشین انداز میں نصیحت کرتے جو ہمیں گراں نہ گزرتی۔ ہماری تربیت فرماتے۔ اکثر نصیحت فرماتے کہ خدمتِ دین کو شوق اور محبت سے خدا کی رضا کے لئے کرنا چاہئے اور بدلہ میں طالبِ انعام نہیں ہونا چاہئے۔

دفتر میں آنے والے مہمانوں کو بڑے احترام سے کھڑے ہوکر ملتے اور اکثر کہا کرتے کہ مرکز میں آنے والے مہمان کچھ توقعات لے کر آتے ہیں اور ان کے ساتھ اچھی طرح ملنا چاہئے اور پانی پوچھنا چاہئے۔ آپ بھی اپنا کام چھوڑ کے اُن کی طرف توجہ کیا کرتے تھے اور جتنا وقت مرضی لگ جائے یا دفتر بند بھی ہوجائے تو جب تک اُن کا کام نہ کرلیتے گھر نہ جاتے۔ اگرکسی کے چندہ کا معاملہ حل نہ ہوتا اور وہ غصّہ میں آجاتا تو بھی خاموشی سے سنتے تھے اور آخر وہ خود ہی شرمندہ ہوکر معافی مانگ لیتا تھا۔ کارکنوں اور اپنے بچوں کو بھی صدقہ وخیرات کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے کہ یہ بلاؤں کو ٹالنے کا ذریعہ ہے اور یہ بھی کہ خلیفۂ وقت کو دعا کے لئے لکھو۔ اپنے انسپکٹران کو کہا کرتے تھے کہ جماعتوں میں خلیفۂ وقت کا پیغام پہنچاؤ بجائے اس کے کہ اپنی زبان میں کچھ کہو۔ انسپکٹران کو یہ بھی کہتے کہ آپ مرکز کے نمائندہ ہیں اس لئے اپنے ہر قول وفعل کا خیال رکھیں۔ بعض دفعہ دفتر میں زائد وقت گزارنا ہوتا تو کارکنان کو سمجھانے کے لئے بڑے اچھے انداز میں کہا کرتے تھے کہ آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ دفتر والے باقی تو گھر چلے گئے ہیں اور ہم دفتر میں کام کررہے ہیں بلکہ یہ خیال کریں کہ خداتعالیٰ ہمیں اضافی خدمت کا موقع دے رہا ہے۔ تو یہ خدمتِ دین کو فضلِ الٰہی جاننے کا ایک عملی ثبوت تھا۔ آپ کے ایک کارکن کہتے ہیں کہ وفات سے چار پانچ دن پہلے مَیں ان کی تیمارداری کے لئے گیا تو کہنے لگے کہ کوئی ناصر احمد نام کا کارکن تیمارداری کے لئے آیا تھا آپ اُسے جانتے ہیں؟ مَیں نے کہا کہ تحریکِ جدید میں اس نام کے تین چار کارکن ہیں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ کل جو ناصر احمد مجھے ملنے آیا تھا اور بچے نے کہہ دیا کہ مَیں سورہا ہوں اور اُن کو واپس جانا پڑا۔ آپ اُن کا پتہ کریں کہ وہ کون ہیں اور میری طرف سے معذرت کردیں کہ بچے کو غلطی لگی تھی۔ شاید آنکھیں بند دیکھ کے اُس نے کہہ دیا کہ مَیں سورہا ہوں، مَیں سو نہیں رہا تھا۔ تو اس حد تک باریکی سے خیال رکھا کرتے تھے۔

حضورانور ایدہ اللہ نے محترم چودھری صاحب کا ذکرخیر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ مَیں نے بھی ان کے ساتھ کام کیا ہے اور یہ بہت کم خصوصیات ہیں جو ابھی لکھی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی خصوصیات کے حامل تھے اور کام انتھک اور خوش مزاجی سے کیا کرتے تھے۔ خلافت سے بھی بے انتہا وفا کا تعلق تھا۔ بہرحال یہ بزرگ تھے جو وفا کے ساتھ جہاں اپنے کام میں مگن تھے وہاں خلیفۂ وقت کے بھی سلطانِ نصیر تھے۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی خلیفۂ وقت کے لئے دعائیں بھی بے انتہا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ایسے کارکن ہمیشہ جماعت کو مہیا فرماتا رہے۔

...۞...۞...۞...

روزنامہ ’’الفضل‘‘ ربوہ 8 نومبر میں مکرم عبدالخالق خان صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے جس میں محترم چودھری شبیر احمد صاحب کا ذکرخیر کیا گیا ہے۔

مضمون نگار رقمطراز ہیں کہ اپریل 2004ء میں خاکسار کو وکالت مال اوّل میں خدمت کے لئے بھجوایا گیا۔ اس طرح تقریباً 8 سال تک مکرم چوہدری صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ آپ کو ایک افسر سے زیادہ ایک مہربان، مشفق وجود اور مربی کے طور پر پایا۔ خاکسار دفتری امور سے بالکل نابلد تھا۔ لیکن آپ ہمیشہ حوصلہ بڑھاتے اور فرماتے کہ جب بھی کسی کام کی سمجھ نہ آئے تو کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، سیدھے میرے پاس آجایا کریں مَیں آپ کو سمجھا دیا کروں گا۔ کبھی کوئی غلطی ہوجاتی تو حوصلہ دیتے کہ کام ہوگا تو غلطیاں بھی ہوں گی۔ کبھی کسی بات پر خاکسار کو نہیں ڈانٹا۔ اکثر وقت پر کام کرنے پر بہت خوش ہوتے اور کوئی نہ کوئی انعام دیتے۔ کمپیوٹر پر ٹائپنگ سیکھنے کے لئے میری حوصلہ افزائی کی۔ جب مَیں آپ کے پاس آیا تھا تو صرف F.Sc کیا ہوا تھا۔ آپ کی حوصلہ افزائی سے پرائیویٹ طور پر B.A. اور پھر M.A بھی کرلیا۔ جب مَیں نے M.A. میں پاس ہونے پر آپ کو بتایا تو گلے لگا کر مبارکباد دی اور فرمایا آپ تو مجھ سے آگے نکل گئے ہیں، مَیں نے تو صرف بی اے کیا ہوا ہے۔

ایک مرتبہ ایک الارم کلاک مجھے دیتے ہوئے

باقی صفحہ نمبر17 پر ملاحظہ فرمائیں

روزنامہ ’’الفضل‘‘ ربوہ 17راگست 2012ء میں مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب کی رحلت کے حوالہ سے کہی جانے والی مکرم خواجہ عبدالمومن صاحب کی ایک نظم شامل اشاعت ہے۔ اس نظم میں سے انتخاب ملاحظہ فرمائیں:

آج رخصت ہوگیا خدمت کا جو مینار تھا
وہ خلافت کا فدائی احمدی سالار تھا
گلستانِ احمدیت کا تھا وہ اِک عندلیب
اس کے نغموں میں خدا کے عشق کا اظہار تھا
عمر ساری خدمتِ اسلام پر ہی وار دی
وہ خلافت کی محبت میں بڑا سرشار تھا
ہر کسی کو پیار سے ملنا وطیرہ اس کا تھا
وہ خلیق و مہرباں تھا اور خوش گفتار تھا
مَیں بھی اُن کے فیض سے پاتا رہا حصہ ہمیش
عجز کا پیکر تھا وہ اور صاحبِ کردار تھا

روزنامہ ’’الفضل‘‘ ربوہ یکم ستمبر 2012ء میں مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب کی رحلت کے حوالہ سے کہی جانے والی مکرم عبدالکریم قدسی صاحب کی ایک نظم شامل اشاعت ہے۔ اس نظم میں سے انتخاب ملاحظہ فرمائیں:

وہ تھا خادم ثانی سے اوّل وکیل المال تک
عرصۂ خدمت ہے پھیلا اس کا اکسٹھ سال تک
جابجا اس میں سنہری حرف ہیں بکھرے ہوئے
اک بیاضِ دل سے لے کر نامۂ اعمال تک
وہ نظام سلسلہ کا اِک غلامِ بے بدل
خدمتِ دیں سے مزیّن اس کے ماہ وسال تک
ربّ قدسی جس کو چاہے اُس کو لمبی عمر دے
اپنی مرضی سے کوئی جیتا نہیں سو سال تک

# Muslim Television Ahmadiyya
# Weekly Programme Guide
July 20, 2018 – July 26, 2018

*Please note that programme and timings may change without prior notice. All times are given in Greenwich Mean Time.*
*For more information please phone on +44 20 3875 6040*

## Friday July 20, 2018

| | |
|---|---|
| 00:00 | World News |
| 00:20 | Tilawat & Dars-e-Malfoozat |
| 00:55 | Yassarnal Qur'an: Lesson no. 17. |
| 01:25 | Khadija Mosque: Recorded on October 16, 2008. |
| 02:25 | In His Own Words |
| 03:00 | Spanish Service |
| 03:15 | Ashab-e-Ahmad |
| 03:50 | Tarjamatul Qur'an Class |
| 04:55 | Qur'an Sab Se Acha |
| 05:30 | Marhum-e-Isa |
| 06:00 | Tilawat: Surah Taa Haa, verses 98-118. |
| 06:10 | Dars-e-Hadith |
| 06:30 | Yassarnal Qur'an: Lesson no. 18. |
| 07:00 | Islamic Jurisprudence |
| 07:35 | Husn-e-Biyan |
| 08:05 | Pakistan National Assembly 1974 |
| 09:00 | Inauguration Of Al-Mehdi Mosque |
| 10:00 | In His Own Words |
| 10:35 | Tasheez-ul-Azhan |
| 10:55 | Deeni-o-Fiqa'hi Masa'il |
| 11:30 | Live Proceedings From Baitul Futuh Mosque |
| 12:00 | Live Friday Sermon |
| 13:00 | Live Proceedings From Baitul Futuh Mosque |
| 13:30 | Tilawat [R] |
| 13:45 | Noor-e-Mustafwi |
| 14:00 | MTA Travel |
| 14:30 | Shotter Shondhane |
| 15:35 | Pakistan National Assembly 1974 [R] |
| 16:30 | Friday Sermon [R] |
| 17:40 | Noor-e-Mustafwi [R] |
| 18:00 | World News |
| 18:15 | Tilawat: Surah Al-Baqarah, verses 32-63. |
| 18:30 | Islamic Jurisprudence [R] |
| 19:05 | Tasheez-ul-Azhan [R] |
| 19:25 | Inauguration Of Al-Mehdi Mosque [R] |
| 20:25 | Deeni-o-Fiqa'hi Masa'il [R] |
| 21:00 | In His Own Words [R] |
| 21:30 | Friday Sermon: Recorded on July 20, 2018. |
| 22:40 | Noor-e-Mustafwi [R] |
| 23:00 | Pakistan National Assembly 1974 [R] |

## Saturday July 21, 2018

| | |
|---|---|
| 00:00 | World News |
| 00:30 | Tilawat |
| 00:45 | Masjid Aqsa Qadian |
| 01:00 | Yassarnal Qur'an |
| 01:30 | Inauguration Of Al-Mehdi Mosque |
| 02:30 | In His Own Words |
| 03:00 | Islamic Jurisprudence |
| 03:40 | Dars-e-Hadith |
| 04:00 | Friday Sermon |
| 05:15 | The Concept Of Bai'at |
| 05:25 | Deeni-o-Fiqa'hi Masa'il |
| 06:00 | Tilawat |
| 06:15 | Dars-e-Hadith |
| 06:40 | Al-Tarteel: Lesson no. 38. |
| 07:10 | Aao Urdu Seekhain |
| 07:30 | Islam Ahmadiyya In America |
| 08:00 | International Jama'at News |
| 09:00 | Friday Sermon: Recorded on July 20, 2018. |
| 10:10 | In His Own Words |
| 10:40 | Dua-e-Mustaja'ab |
| 11:05 | Indonesian Service |
| 12:10 | Tilawat [R] |
| 12:25 | Al-Tarteel [R] |
| 13:00 | Live Intikhab-e-Sukhan |
| 14:05 | Bangla Shomprochar |
| 15:15 | Safar-e-Hajj |
| 16:00 | Live Rah-e-Huda |
| 17:30 | Al-Tarteel [R] |
| 18:05 | World News |
| 18:25 | Tilawat |
| 18:40 | Aao Urdu Seekhain [R] |
| 19:00 | Islam Ahmadiyya In America [R] |
| 19:30 | Dua-e-Mustaja'ab [R] |
| 20:00 | Huzoor's Jalsa Salana Address Germany 2015 |
| 20:40 | International Jama'at News |
| 21:30 | Safar-e-Hajj [R] |
| 22:15 | Friday Sermon [R] |
| 23:30 | MTA Travel |

## Sunday July 22, 2018

| | |
|---|---|
| 00:00 | World News |
| 00:30 | Tilawat |
| 00:45 | Visit Of Hazrat Musleh Ma'ood (ra) To The UK |
| 01:10 | Al-Tarteel |
| 01:45 | Huzoor's Jalsa Salana Address Germany 2015 |
| 02:30 | In His Own Words |
| 03:00 | Aao Urdu Seekhain |
| 03:25 | Islam Ahmadiyya In America |
| 04:00 | Friday Sermon |
| 05:20 | Safar-e-Hajj |
| 06:00 | Tilawat |
| 06:15 | Aao Husne Yaar Ki Baatein Karein |
| 06:30 | Yassarnal Qur'an |
| 06:55 | Rah-e-Huda: Recorded on June 23, 2018. |
| 08:30 | Roots To Branches |
| 09:00 | Gulshan-e-Waqfe Nau Lajna |
| 10:15 | In His Own Words |
| 11:00 | Indonesian Service |
| 12:00 | Tilawat [R] |
| 12:15 | Aao Husne Yaar Ki Baatein Karein [R] |
| 12:35 | Yassarnal Qur'an [R] |
| 13:00 | Friday Sermon: Recorded on July 20, 2018. |
| 14:10 | Shotter Shondhane |
| 15:15 | Gulshan-e-Waqfe Nau Lajna [R] |
| 16:30 | Tilawat-ul-Qur'an |
| 16:50 | German Service |
| 18:00 | World News |
| 18:20 | Tilawat |
| 18:35 | Story Time |
| 19:00 | Islamic Jurisprudence |
| 19:35 | Braheen-e-Ahmadiyya |
| 20:10 | Gulshan-e-Waqfe Nau Lajna [R] |
| 21:20 | In His Own Words |
| 22:00 | Ilmul Abdaan |
| 22:30 | Friday Sermon [R] |
| 23:40 | Roots To Branches |

## Monday July 23, 2018

| | |
|---|---|
| 00:05 | World News |
| 00:25 | Tilawat |
| 00:40 | Aao Husne Yaar Ki Baatein Karein |
| 01:00 | Yassarnal Qur'an |
| 01:25 | Gulshan-e-Waqfe Nau Lajna |
| 02:40 | In His Own Words |
| 03:20 | Ilmul Abdaan |
| 03:50 | Friday Sermon |
| 05:00 | Braheen-e-Ahmadiyya |
| 05:35 | Roots To Branches |
| 06:00 | Tilawat |
| 06:15 | Dars-e-Hadith |
| 06:30 | Al-Tarteel: Lesson no. 38. |
| 07:00 | Recontre Avec Les Francophones |
| 08:00 | Pakistan National Assembly 1974 |
| 08:45 | Jalsa Salana Speeches |
| 09:00 | Huzoor's Tour Of India 2008 |
| 09:25 | In His Own Words |
| 10:00 | Tours Of Hazrat Musleh Ma'ood (ra) |
| 10:30 | Swahili Service |
| 11:00 | Friday Sermon: Recorded on February 9, 2018. |
| 12:15 | Tilawat [R] |
| 12:30 | Al-Tarteel [R] |
| 13:00 | Friday Sermon: Recorded on August 17, 2012. |
| 14:15 | Bangla Shomprochar |
| 15:20 | Huzoor's Tour Of India 2008 [R] |
| 15:45 | Hazrat Masih Nasiri Ka Asal Pegham |
| 16:30 | International Jama'at News |
| 17:25 | Al-Tarteel [R] |
| 18:00 | World News |
| 18:20 | Tilawat |
| 18:30 | Swedish Service |
| 19:05 | Seerat Hazrat Masih-e-Ma'ood (as) |
| 19:30 | Jalsa Salana Speeches [R] |
| 19:40 | Rishta Nata Ke Masa'il |
| 20:00 | Huzoor's Tour Of India 2008 [R] |
| 20:25 | InfoMate |
| 21:00 | Aao Urdu Seekhain [R] |
| 21:20 | Hazrat Masih Nasiri Ka Asal Pegham [R] |
| 22:00 | Life Of The Holy Prophet Muhammad (saw) |
| 22:30 | Recontre Avec Les Francophones [R] |
| 23:35 | Seerat Hazrat Masih Ma'ood (as) [R] |

## Tuesday July 24, 2018

| | |
|---|---|
| 00:00 | World News |
| 00:25 | Tilawat & Dars-e-Hadith |
| 01:00 | Al-Tarteel |
| 01:35 | Huzoor's Tour Of India 2008 |
| 02:00 | Pakistan National Assembly 1974 |
| 02:45 | The Life Of Hazrat Khalifatul-Masih I (ra) |
| 03:00 | International Jama'at News |
| 03:50 | The Life Of Hazrat Khalifatul-Masih V (may Allah be His helper) |
| 04:00 | Recontre Avec Les Francophones |
| 05:00 | Aao Urdu Seekhain |
| 05:30 | InfoMate |
| 06:00 | Tilawat |
| 06:15 | Dars-e-Malfoozat |
| 06:25 | Yassarnal Qur'an |
| 06:50 | Liqa Ma'al Arab |
| 08:00 | Story Time |
| 08:25 | Attractions Of Australia |
| 08:50 | Gulshan-e-Waqfe Nau Atfal |
| 10:00 | In His Own Words |
| 10:30 | Manasik-e-Hajj |
| 11:00 | Indonesian Service |
| 12:00 | Tilawat [R] |
| 12:15 | Dars-e-Malfoozat [R] |
| 12:30 | Yassarnal Qur'an [R] |
| 13:00 | Friday Sermon: Recorded on July 20, 2018. |
| 14:00 | Bangla Shomprochar |
| 15:05 | Gulshan-e-Waqfe Nau Atfal [R] |
| 16:15 | In His Own Words |
| 16:50 | Islamic Jurisprudence |
| 17:30 | Yassarnal Qur'an [R] |
| 18:00 | World News |
| 18:15 | Tilawat |
| 18:30 | Rah-e-Huda: Recorded on July 21, 2018. |
| 20:00 | Gulshan-e-Waqfe Nau Atfal [R] |
| 21:10 | In His Own Words [R] |
| 21:45 | Maidane Amal Ki Kahani |
| 22:25 | Liqa Ma'al Arab [R] |
| 23:35 | Attractions Of Australia [R] |

## Wednesday July 25, 2018

| | |
|---|---|
| 00:00 | World News |
| 00:20 | Tilawat & Dars-e-Malfoozat |
| 00:45 | Yassarnal Qur'an |
| 01:15 | Gulshan-e-Waqfe Nau Atfal |
| 02:25 | In His Own Words |
| 03:10 | Islamic Jurisprudence |
| 03:45 | Liqa Ma'al Arab |
| 04:55 | Servants Of Allah |
| 06:00 | Tilawat |
| 06:20 | Al-Tarteel: Lesson no. 38. |
| 06:50 | Question And Answer Session |
| 08:15 | Kuch Yaadein Kuch Baatein |
| 09:00 | Huzoor's Jalsa Salana Address Germany |
| 10:05 | The Prophecy Of Khilafat |
| 10:25 | Deeni-o-Fiqa'hi Masa'il |
| 11:00 | Indonesian Service |
| 12:00 | Tilawat [R] |
| 12:15 | Aao Husne Yaar Ki Baatein Karein [R] |
| 12:30 | Al-Tarteel [R] |
| 13:00 | Friday Sermon: Recorded on July 20, 2018. |
| 14:00 | Bangla Shomprochar |
| 15:05 | Huzoor's Jalsa Salana Address Germany [R] |
| 16:10 | The Prophecy Of Khilafat [R] |
| 16:30 | One Minute Challenge |
| 17:25 | Al-Tarteel [R] |
| 18:00 | World News |
| 18:20 | Tilawat |
| 18:30 | French Service |
| 19:25 | Deeni-o-Fiqa'hi Masa'il [R] |
| 20:00 | Huzoor's Jalsa Salana Address Germany [R] |
| 21:00 | In His Own Words [R] |
| 21:35 | One Minute Challenge [R] |
| 22:30 | Question And Answer Session [R] |

## Thursday July 26, 2018

| | |
|---|---|
| 00:00 | World News |
| 00:20 | Tilawat |
| 00:35 | Aao Husne Yaar Ki Baatein Karein |
| 01:00 | Al-Tarteel |
| 01:30 | Huzoor's Jalsa Salana Address Germany |
| 02:35 | In His Own Words |
| 03:05 | Kuch Yaadein Kuch Baatein |
| 03:50 | Question And Answer Session |
| 05:15 | One Minute Challenge |
| 06:00 | Tilawat |
| 06:20 | Dars-e-Malfoozat |
| 06:30 | Yassarnal Qur'an |
| 06:55 | Tarjamatul Qur'an Class |
| 08:00 | Islamic Jurisprudence |
| 08:35 | Life Of The Holy Prophet Muhammad (saw) |
| 09:00 | Huzoor's Reception In Kerala |
| 09:55 | In His Own Words |
| 10:30 | Qur'an Sab Se Acha |
| 11:00 | Japanese Service |
| 11:15 | Pushto Muzakarah |
| 12:00 | Tilawat [R] |
| 12:15 | Dars-e-Malfoozat [R] |
| 12:30 | Yassarnal Qur'an [R] |
| 13:00 | Friday Sermon: Recorded on July 20, 2018. |
| 14:00 | Live Shotter Shondhane |
| 16:05 | Friday Sermon [R] |
| 17:10 | Qur'an Sab Se Acha [R] |
| 17:40 | Yassarnal Qur'an [R] |
| 18:00 | World News |
| 18:15 | Tilawat |
| 18:30 | Ashab-e-Ahmad |
| 19:10 | Islam Ahmadiyya In America |
| 19:40 | Marhum-e-Isa |
| 20:00 | Friday Sermon [R] |
| 21:05 | In His Own Words |
| 21:40 | Life Of The Holy Prophet Muhammad (saw) |
| 22:00 | Qur'an Sab Se Acha [R] |
| 22:30 | Tarjamatul Qur'an Class [R] |
| 23:35 | The True Concept Of Khilafat |

***Please note MTA2 will be showing French service at 16:00 & German service at 17:00 (GMT).***

**Al Fazl International Weekly, London**

**TAHIR HOUSE - 22 DEER PARK ROAD, LONDON SW19 3TL (U.K.)**

ISSN: 1352 9587
Tel: (020) 8544 7603
Fax: (020) 8544 7611
Email:info@alfazlintl.org

Vol 25 Friday 20 July 2018 Issue No. 29

### جماعت احمدیہ برطانیہ کے زیر اہتمام طاہر ہال بیت الفتوح لندن میں 17 مارچ 2018ء کو

# پندرھویں سالانہ پیس سمپوزیم کا کامیاب انعقاد

### 550 سے زائد غیر از جماعت و غیر مسلم مہمانوں کی تقریب میں شمولیت۔ مہمانوں میں برطانوی وزرا، اراکین پارلیمنٹ، مختلف ممالک کے سفراء، مختلف شہروں کے میئرز اور متعدد سیاسی و سماجی حلقوں سے تعلق رکھنے والی معزز شخصیات شامل تھیں۔

### حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا بصیرت افروز خطاب۔

(رپورٹ: حامدہ سنوری فاروقی۔لندن)

(لندن) جماعت احمدیہ برطانیہ گزشتہ کئی سالوں سے ہر سال ایک پیس سمپوزیم منعقد کرتی ہے جس میں مرکزی خطاب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ہوتا ہے۔ اس تقریب میں مختلف سیاسی، سماجی حلقوں اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے اور کئی اداروں سے تعلق رکھنے والے افراد شامل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس موقع پر ایک پیس ایوارڈ بھی جماعت احمدیہ یُوکے کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ امسال 17 مارچ 2018ء کو پندرھواں پیس سمپوزیم طاہر ہال، بیت الفتوح میں منعقد ہوا جس میں ساڑھے پانچ سو سے زائد مہمان شامل ہوئے۔

تقریب کا آغاز تلاوت قُرآن کریم سے کیا گیا۔ بعدازاں امیر جماعت برطانیہ مکرم رفیق احمد حیات صاحب نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور اپنے مختصر ایڈریس میں کہا کہ انتہا پسندی اور شدّت پرستی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ یکجہتی اور اتحاد ہی تمام مشکلات کا حل تلاش کرنے میں ممد ہوسکتے ہیں۔

اس کے بعد بعض معزز مہمانوں کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

Dr Aaron Rhodes نے جو انسانی حقوق اور مذہبی آزادی کے مختلف اداروں کے سربراہ ہیں، اس بات پر افسوس اور تشویش کا اظہار کیا کہ جماعت احمدیہ جو انسانی حقوق اور مذہبی آزادی کے قیام کے لئے دن رات کوشاں ہے اسے انتہا پسند افراد اور حکومتوں کی طرف سے مخالفت اور ظالمانہ کارروائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور ان کے حقوق تلف کئے جاتے ہیں۔

Dr Luigi de Salvia جو عالمی کانفرنس برائے امن کے یورپی حصہ کے صدر ہیں، نے کہا کہ پندرہ سال سے جماعت احمدیہ جو امن سمپوزیم منعقد کر رہی ہے وہ ہمارے اس براعظم کا اہم ترین اجلاس ہوتا ہے، جس میں اہم پیرایہ میں انسانیت کو درپیش اہم مسائل، خدشات اور اُن کا جامع حل پیش کیا جاتا ہے۔

Mrs Angelina Alekseeva نے بھی سمپوزیم میں شرکت کی۔ وہ اس سال کے احمدیہ امن انعام حاصل کرنے والے ڈاکٹر روشال (Dr Leonid Roshall) کی نمائندگی کر رہی تھیں۔ اُنہوں نے حاضرین کو بتایا کہ ڈاکٹر روشال نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ امن انعام کی ساری رقم ایک ایسے فلاحی ادارہ کو دیں گے جہاں ذہنی اور ریڑھ کی ہڈی میں نقائص کی وجہ سے تکالیف میں مبتلا بچوں کو علاج معالجہ کی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنے رنگ میں دُنیا میں قیام امن کے لئے کوششوں میں حصہ ڈالے۔

اس کے بعد حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حاضرین سے انگریزی زبان میں خطاب فرمایا۔ حضور نے سب سے پہلے حاضرین کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کا تحفہ پیش فرمایا۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہمارے اس امن سمپوزیم میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔

حضور نے فرمایا کہ گزشتہ پندرہ سال سے احمدیہ مُسلم جماعت یہ سمپوزیم منعقد کرتی آرہی ہے۔ شائد کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ہر سال اس سمپوزیم کو مُنعقد کرنے سے کیا فائدہ ہے جبکہ مسلمان ممالک میں اور غیر مُسلم ممالک میں امن کی صورتحال میں کوئی مُثبت فرق نہیں پڑا بلکہ صورتحال مزید خراب ہوئی ہے۔ دُنیا کا بیشتر حصہ باہمی تفرقہ، نفرت اور ناانصافیوں کی لپیٹ میں ہے۔ معاشرہ طاقت کے مختلف سمتوں میں کھنچتے ہوئے دھڑوں میں تقسیم ہوگیا ہے۔ جنگیں کی جاتی ہیں اور آپس میں قومیں ایک دوسرے کو دھمکاتی ہیں۔ غیر مساوی رُجحانات ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ ممالک دونوں ہی میں زور پکڑتے جارہے ہیں۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ اس صورتحال میں جب آپ کے دل میں شُبہات پیدا ہوں تو اس میں آپ حق بجانب ہیں۔ مگر ہمارا مذہب ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ہم دُنیا میں بسنے والے تمام انسانوں کو امن اور انصاف کی طرف بُلاتے رہیں۔ خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، طاقتور ہوں یا کمزور، مذہبی ہوں یا غیر مذہبی۔ اس وجہ سے ہم اپنا فرض نبھاتے چلے جائیں گے کہ ہم دُنیا کو اعلیٰ انسانی اقدار کی عظمت کی قدر و منزلت پہچاننے اور اپنانے کی ذمہ داری کا احساس دلاتے چلے جائیں۔ اسلام کی بُنیادی تعلیم ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اُس کے بندوں کے حقوق ادا کئے جائیں۔

حضور انور نے فرمایا کہ ان مختصر تمہیدی کلمات کے بعد میں آج بعض بہت اہم اُمور کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں جو آج کی دُنیا میں شدید بے چینی پیدا کر رہے ہیں۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ آج کی دُنیا میں ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ بعض بڑی طاقتیں اور بین الاقوامی ادارے ایسے منصوبے بناتے ہیں جن سے وہ دُنیا بھر میں انسانوں کی زندگیاں بہتر کرنا چاہتے ہیں۔ حالیہ زمانہ میں ایک مسئلہ جس پر بہت سے سیاستدان اور مفکرین اکٹھے ہو کر آواز بلند کر رہے ہیں اور احساس بیدار کر رہے ہیں، وہ دُنیا میں موسمیاتی تبدیلیوں اور توازن کے رُجحان اور خصوصیت سے فضا میں کاربن کے اخراج سے پیدا ہونے والے مسائل ہیں۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ یقیناً موسمیاتی تبدیلیوں پر اثر انداز ہونے والے عوامل اور اس کُرہ ارض کی حفاظت بہت اہم اور قابل قدر اُمور ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ ترقی یافتہ ممالک اور خصوصاً بین الاقوامی رہنما اس امر کا بھی احساس بیدار کریں کہ دُنیا میں بعض دوسرے مسائل بھی فوری توجہ کے لائق ہیں اور اسی شدّت سے توجہ طلب ہیں۔

دُنیا کے غُربت و افلاس میں گھِرے ہوئے اَن گنت انسان ماحولیات اور کاربن کے اخراج کے تناسُب کے بارہ میں سوچ نہیں سکتے کیونکہ ہر صُبح وہ آنکھ کھولتے ہیں تو اس فکر کے ساتھ کہ کیا آج وہ اپنے بچوں کو ایک وقت کی روٹی مہیا کر سکیں گے یا نہیں؟ اُن کی معاشی بدحالی خوفناک صورتحال پیدا کر چکی ہے جس کی اذّیت کو ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مثال کے طور پر دُنیا کے بہت سے ممالک ایسے ہیں جہاں شہریوں کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں ہے اور وہ چھپڑوں کا گندہ پانی پینے پر اور بُنیادی ضرورتوں کے لئے استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ جبکہ وہ پانی بھی آسانی سے اُنہیں مہیا نہیں ہے۔ عورتیں اور بچے روزانہ کئی کئی میل پیدل چل کر برتن اپنے سر پر اُٹھا کر وہ پانی اپنے خاندان کے افراد تک پہنچاتے ہیں۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ ہمیں ان مسائل پر ایک نگاہ ڈال کر یہ خیال نہیں کر لینا چاہئے کہ یہ دوسروں کے مسائل ہیں۔ بلکہ ہمیں علم ہونا چاہئے کہ اس غُربت اور افلاس کے نتائج تمام دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کا براہِ راست تعلق تمام دُنیا کے امن اور سلامتی سے ہے۔ جن بچوں کا سارا دن مشقت کے ساتھ چل چل کر اپنے خاندان کے افراد کے لئے پانی لانے میں گُزر جاتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ اسکول نہیں جاسکتے اور نہ ہی کسی قسم کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ ایک ایسی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جہاں جہالت اور غُربت نے اُنہیں اپنے نہ ختم ہونے والے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ یہ ایک ایسا چکر ہے جو معاشرہ کے لئے شدید نقصان پہنچانے کا باعث ہے۔ آج

باقی صفحہ نمبر 15 پر ملاحظہ فرمائیں